کبھی ٹالا نہیں جاسکتا۔

تل الزیطار میں مظلوم فلسطینیوں کو دھوکا دے کر خون کی ندیاں بہانے کے بعد لبنان میں اب ان کے دوسرے ہیڈکوارٹر ایلی پر عیسائیوں اور شامی فوجوں کی یلغار جاری ہے۔ یورپ کی حکومتیں چاہے لاکھ اپنے آپ کو لادینی کہیں اور بظاہر مذہب سے براءت ظاہر کریں لیکن جب کبھی مسلمانوں کا سوال آتا ہے اور دوسری طرف مسیحی اقوام یا صہیونیت ہوتی ہے تو یہ حکومتیں کھل کر مسیحیوں کی حمایت کرتی ہیں۔ لبنان میں بھی یہی ہورہا ہے۔ یہ ملک کبھی فرانس کے ماتحت رہا اور پھر آزاد ہوا لیکن آزادی کے بعد بھی پرانے سامراج سے پورا چھٹکارا حاصل نہ کرسکا کسی نہ کسی صورت میں سامراج کی مداخلت ہوتی رہتی ہے۔ اخبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ لبنان کے مسیحیوں کو ایک طرف صہیونیوں سے ہتھیار مل رہے ہیں اور وہ امریکا کے ہوتے ہیں تو دوسری طرف فرانس سے بھی ان کو اسلحہ کی مدد مل رہی ہے۔ جو کردار یہودیوں کو کھل کر ادا کرنا تھا وہ نہ معلوم کن مصلحتوں کی بنا پر شام ادا کررہا ہے۔ اگر روس کی طرف سے فرانس کو دھمکی نہ ملتی تو وہ کھل کر خانہ جنگی کو ختم کرانے کے بہانے اپنی فوجیں لبنان میں بھیج دیتا۔ مصر کی طرف سے مصالحت کے لیے دوڑ دھوپ ہورہی ہے لیکن شام کی مخالفت کی وجہ سے اس میں کوئی نمایاں کامیابی نہیں ہوتی۔ اب دیکھیں کہ کہاں تک فلسطینی مجاہد اس دوسرے محاذ کی حفاظت کرسکتے ہیں۔ بہرحال جب تک عربوں کی باہمی چپقلش اور مخاصمت جاری ہے تو ان کی یہ بے کسی اور بے بسی کی حالت جاری رہے گی، اللہ رحم فرمائے۔

ڈاکٹر ایوب قادری

قرآن کریم کے چند قدیم اردو تراجم

اٹھارہویں صدی عیسوی پاک و ہند کی تاریخ میں سیاسی، سماجی، معاشرتی اور ثقافتی اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ عالمگیر اورنگ زیب (ف ۱۷۰۷ء) کے انتقال کے بعد دہلی کی مرکزی حکومت کو گھن لگ گیا اور اس کی جڑیں کھوکھلی ہونے لگیں۔ صوبیدار خودسر ہوگئے، جاٹوں اور مرہٹوں کے حوصلے بڑھے، سکھوں نے شورش اٹھائی، امراء و رؤساء کا اقتدار اتنا بڑھا کہ بادشاہ ان کے رحم وکرم کے محتاج ہوگئے۔ انگریزوں نے ان حالات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا، ان کا قدم مدراس و بنگال سے شمالی ہند کی طرف بڑھا اور آہستہ آہستہ بہار، اودھ، روہیل کھنڈ اور دہلی و پنجاب پر ان کا قبضہ ہوگیا۔

مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ ان کی مذہبی زندگی میں بھی ابتری پیدا ہوگئی۔ بدعات اور مراسم پرستی کا بڑا زور تھا۔ قرآن و حدیث سے زیادہ علوم عقلیہ کا دور دورہ ہوا۔ علماء اپنی قابلیت کا مظاہرہ فلسفہ و منطق کی درسی کتابوں کے حاشیے اور شرحیں لکھ کر کرتے تھے۔ تصنیف و تالیف کا ذریعہ عربی اور فارسی زبانیں تھیں۔ انھی زبانوں میں تعلیم و تربیت اور درس و تدریس کا کام ہوتا تھا اور علماء ان ہی زبانوں میں درس دیتے تھے۔ اس زمانے میں بعض بالغ نظر علماء کو خیال پیدا ہوا کہ عربی و فارسی کی

بجائے عوام کی زبان میں اصلاح و تبلیغ کا کام ہونا چاہیے۔چنانچہ بعض علماء نے اُردو میں تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا مگر آغاز و تمہید میں "معذرت" ضروری سمجھی جاتی تھی اس سلسلے میں خانوادۂ ولی اللٰہی نے بڑا کام انجام دیا اور اُردو زبان میں اچھا خاصا اصلاحی اور تبلیغی لٹریچر مہیا کیا ہے۔

یہاں ہم قرآن کریم کے چند قدیم اردو تراجم کا تعارف کرا رہے ہیں۔

قرآن کریم کے اردو تراجم کی اولیت کا سہرا شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے سر ہے۔اگرچہ اس سے پہلے بھی اردو کے ایک دو ترجمے ہوئے لیکن وہ طباعت سے محروم رہے اور شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے ترجمے نہ صرف سب سے پہلے شائع و طبع ہوئے بلکہ ان کی مقبولیت و افادیت آج بھی قائم ہے۔

ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (ف ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء) جیسے عالم کہیں صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں انھوں نے اسلامی علوم و فنون پر بڑی گراں قدر تصنیفات چھوڑی ہیں۔

شاہ ولی اللہ نے قرآن کریم سے براہِ راست استفادہ کی غرض سے ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷۔۸ء میں فارسی میں ترجمہ کیا۔اس کے بعد ان کے نامور فرزند شاہ عبدالقادر (ف ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء) نے قرآن کریم کا اردو ترجمہ ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء میں کیا۔ اردو زبان میں قرآن کریم کا یہ پہلا ترجمہ ہے جس کو سب سے زیادہ قبول اور بقائے دوام حاصل ہوا۔شاہ عبدالقادر صاحب نے اس ترجمہ پر تفسیری حاشیے بھی لکھے ہیں اور اس کا نام "موضح قرآن" رکھا، جو تاریخی نام ہے اور اس سے ۱۲۰۵ھ برآمد ہوتے ہیں۔ وہ اس ترجمہ کی تمہید میں لکھتے ہیں:

"کلام پاک خدا تعالیٰ کا عربی زبان میں ہے اور ہندوستانیوں کو اس کا سمجھنا بہت مشکل ہے۔اس واسطے اس بندہ عاجز عبدالقادر کو خیال آیا کہ جس طرح ہمارے بابا صاحب یعنی بڑے حضرت شیخ ولی اللہ، عبدالرحیم صاحب کے بیٹے، سب حدیثیں جاننے والے، ہندستان کے رہنے والے نے

فارسی زبان میں قرآن کے معنیٰ آسان کر کے لکھے ہیں۔ الحمدللہ کہ یہ آرزو ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء میں حاصل ہوئی۔ اب کئی باتیں معلوم کرنا چاہیے ہے۔

(۱) پہلی یہ کہ اس جگہ معنیٰ ہر لفظ کے جدا جدا ضرور نہیں، کس واسطے کہ محاورہ ہندی زبان کا اور عربی زبان کا ہرگز موافق نہیں۔ اگر جس طرح قرآن شریف میں اس طرح جدا جدا لفظوں کے معنیٰ لکھے۔

(۲) اور دوسری یہ کہ یہ جو ہندی معنی آسان ہیں ہر ایک سے پڑھے جاتے ہیں پر اسے بھی استادی سند چاہیے جو معنیٰ قرآن کے بغیر سند کے اعتبار نہیں رکھتے۔

(۳) اور تیسرے ملانا اگلی اور پچھلی آیتوں کے معنوں کو اور بات کا کٹ جانا بغیر استاد کے معلوم نہیں ہوتا۔ جو قرآن شریف عرب کی زبان میں ہے، وہاں کے لوگوں کو اپنی اپنی زبان کا محاورہ معلوم ہے۔

(۴) اور بہت بڑے معانی اور خوبیاں قرآن شریف کی جو بڑے عالم اور اللہ صاحب کے لوگ سمجھتے ہیں اس میں نہیں لکھیں۔ یہ ہندی زبان میں کم سمجھنے والوں کے واسطے آسان کر کے بیان کیے ہیں۔ تب بھی بغیر استاد نہ سمجھا جاوے گا۔

(۵) اور کتنی چیزیں ہندی زبان میں لکھتے ہیں جو فارسی میں نہیں ہیں، اس سبب فارسی خواں اول اٹکتا ہے، جب ایک چیز سمجھ کر پڑھے تو واقف ہو جاوے۔ اور اس کتاب کا نام "موضح قرآن" ہے، یہی اس کی صفت ہے اور یہی اس کی تاریخ ہے۔

اس تمہیدی نوٹ سے ترجمہ کی غرض ظاہر ہے کہ تبلیغ احکامِ الٰہی مقصود تھی اور یہ تبلیغ اس وقت تک تمام نہیں ہو سکتی تھی جب تک وہ عام فہم زبان میں نہ کی جائے۔ اس ترجمہ کی زبان کا نمونہ حسبِ ذیل ہے :-

"سب تعریف اللہ کو جو صاحب سارے جہان کا، بہت مہربان نہایت

رحم والا، مالک انصاف کے دن کا۔ تجھی کو بندگی کریں اور تجھ سے مدد
چاہیں۔ چلا ہم کو راہ سیدھی، راہ ان کی جن پر تو نے فضل کیا، نہ جن
پر غصہ ہوا اور بہکنے والے۔" (سورہ فاتحہ)

یہ ترجمہ اس دور کے اندازِ تحریر کا عکاس ہے۔ مضاف، مضاف الیہ سے پہلے آیا ہے، تاہم مطلب اور مفہوم واضح ہوجاتا ہے۔ ترجمہ میں سلاست اور اختصار ہے
یہ ترجمہ سب سے پہلے ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء میں کلکتہ سے مولوی عبداللہ بن بہادر علی حسینی نے طبع کرایا۔ جب پہلی مرتبہ سید احمد شہید حج کو گئے تو ان کے بھانجے سید احمد علی سے مولوی عبداللہ نے شاہ عبدالقادر کے ترجمۂ قرآن کی نقل حاصل کی۔ مولوی عبدالحی دہلوی، شاہ محمد اسحاق (ف ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء) اور مرزا حسن علی لکھنوی کے مشورہ سے مولوی عبداللہ نے اس کی طباعت کا اہتمام کیا۔ ترجمہ کی صحت و درستی تفسیر عزیزی، تفسیر حسینی اور اس ترجمہ سے جو مولوی عبداللہ کے والد بہادر علی حسینی اور مولوی امانت اللہ وغیرہ نے کیا تھا، کی گئی
اس کے بعد شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ اس زمانے میں مولوی کرامت علی جون پوری کی تحریک پر صوفی کریم بخش نے چھپوایا۔ مولوی کرامت علی جون پوری نے بعض الفاظ کے معنی آسان ہندی میں حاشیے پر لکھے اور بعض فوائد تفسیر حسینی، تفسیر فتح الرحمن اور تفسیر فتح العزیز سے اس میں شامل کردیئے[1]

ترجمہ شاہ رفیع الدین

شاہ رفیع الدین شاہ ولی اللہ دہلوی کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ حضرت شاہ

---

[1] شاہ عبدالقادر کا ترجمہ ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء میں دہلی سے شائع ہوا۔ اس زمانے میں (۱۲۶۸ھ/۱۸۵۱-۵۲ء میں) یہ ترجمہ محمد مصطفیٰ خاں ابن روشن خاں نے اپنے پریس مطبع مصطفائی کانپور میں طبع کرانا شروع کیا کہ سال وہ حج کو گئے ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲-۵۳ء میں ان کا انتقال ہوگیا پھر ان کے صاحبزادے محمد واحد خاں کی تحریک ان کے چھوٹے بھائی محمد عبدالرحمن نے ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵-۶۶ء میں طبع کرایا۔

(ف ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء) کے بعد درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا کام انھوں نے کیا ہے۔ ذیل کے نمونہ سے شاہ صاحب کے ترجمہ کی کیفیت معلوم ہوتی ہے:۔

"سب تعریف واسطے اللہ کے، پروردگار عالموں کا، بخشش کرنے والا مہربان، خاوند دن جزا کا، تجھی کو بندگی کرتے ہیں ہم اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں ہم، دکھا ہم کو راہ سیدھی، راہ ان کی کہ نعمت کی ہے تونے اوپر ان کے، سوا ان کے جو غصہ کیا گیا ہے اوپر ان کے اور نہ راہ گمراہوں کی"

(سورہ فاتحہ)

اگرچہ یہ ترجمہ تحت اللفظ ہے مگر اس کے باوجود بڑی حد تک سہل ہے اور مطلب بہ آسانی سمجھ میں آجاتا ہے۔ طلبہ کے لیے خاص طور سے یہ ترجمہ بہت مفید ہے۔ کیونکہ قرآن کے ہر لفظ کے معانی علٰحدہ علٰحدہ معلوم ہوجاتے ہیں۔

شاہ رفیع الدین کا ترجمہ ان کے شاگرد سید نجف علی المعروف بہ فوجدار خاں کا جمع کیا ہوا ہے جیسا کہ تفسیر رفیعی کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے:۔

"کہتا ہے خاکسار سید عبدالرزاق بن سید نجف علی المعروف بہ فوجدار خاں کے والد ماجد نے بخدمت جناب عالم باعمل، فاضل بے بدل، واقف علوم معقول و منقول، خلاصۂ علمائے متاخرین مولوی رفیع الدین کے عرض کیا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ترجمہ کلام اللہ تحت اللفظی آپ سے پڑھ کر زبان اُردو میں لکھوں پھر اس کو ملاحظہ فرماکر اصلاح دے کر درست فرمادیا کریں۔ چنانچہ آپ نے قبول فرمایا اور تمام کلام اللہ اسی طرح سے مرتب ہوا اور رواج پایا"

ہمارے خیال میں شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ قرآن، شاہ رفیع الدین کے ترجمے سے مقدم ہے۔ اول تو شاہ عبدالقادر نے دیباچے میں صرف اپنے والد شاہ ولی اللہ کے ترجمے کا ذکر کیا ہے۔ اگر بڑے بھائی کا ترجمہ ہوتا تو ضرور ذکر کرتے۔ حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء میں شاہ عبدالقادر ترجمہ کر چکے تو یہی ترجمہ نجف علی کے لیے محرک ہوا اور انھوں نے

شاہ رفیع الدین کا ترجمہ جمع کیا۔[1]

ترجمہ حکیم محمد شریف خاں دہلوی

حکیم محمد شریف خاں (ف ۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۱-۲ء) دہلی کے نامور شاہی طبیب اور عالم وفاضل تھے۔ شاہ عالم ثانی (ف ۱۸۰۶ء) نے اشرف الحکماء کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ حکیم شریف خاں کو تصنیف وتالیف کا بھی شوق تھا۔ مشکوٰۃ شریف کا فارسی ترجمہ کاشف المشکوٰۃ کے نام سے کیا۔ اس کے علاوہ عجالۂ نافعہ، علاج الامراض، دستور الفصد، حاشیہ نفیسی، حاشیہ شرح اسباب، آثار نبوت اور تالیف شریفی (بخواص ادویہ ہندی) متعدد عربی وفارسی کتب ان سے یادگار ہیں۔ تالیف شریفی میں ہندی، یونانی، فارسی اور عربی دواؤں کے ناموں کی مطابقت کی گئی ہے۔ حکیم شریف خاں نے شاہ عالم ثانی کے حکم سے قرآن کریم کا ترجمہ بھی کیا ہے۔[2] حکیم صاحب لکھتے ہیں:[3]

---

[1] شاہ رفیع الدین کا ترجمہ سب سے اول کلکتہ کے ایک مطبع اسلام پریس (واقع محلہ مرزاپور) میں ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰-۴۱ء میں دو جلدوں میں ٹائپ میں طبع ہوا۔ اس ترجمہ کی صحت و درستی کے فرائض مولوی حافظ احمد کبیر مجددی (ف ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۴ء) نے انجام دیئے۔ مجددی صاحب بڑے فاضل شخص تھے۔ ان کے ساتھ حافظ عجیب احمد اور حافظ محمد مرتضیٰ بھی شریک رہے۔ اس ترجمے کے حاشیے پر شاہ عبدالقادر صاحب کی تفسیر مُوضح قرآن بھی چھپی ہے۔

[2] پروفیسر حامد حسن قادری نے تاریخ داستان اردو (صفحہ ۱۴۴-۱۴۵ - طبع دوم آگرہ ۱۹۵۰ء) میں لکھا ہے کہ حکیم شریف خاں کا ترجمہ قرآن شاہ عبدالقادر سے تقریباً بیس سال پہلے کا ہے۔ معلوم نہیں، قادری صاحب نے یہ بیس سال پہلے کا اندازہ کس طرح قائم کیا۔ شاہ عبدالقادر دہلوی کا ترجمہ ۱۲۰۵ھ مطابق ۱۷۹۰ء میں ہوا۔ اس حساب سے حکیم شریف خاں کا ترجمہ ۱۷۷۰ء میں ہونا چاہیے۔ یہ ترجمہ حکیم محمد شریف خاں نے شاہ عالم ثانی کے حکم سے کیا ہے اور ۱۷۷۰ء تک اس کو دہلی کی حکومت ملی بھی نہیں تھی۔

[3] قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں از مولوی عبدالحق، اردو (اورنگ آباد دکن) جنوری ۱۹۳۷ء۔

"للہ الحمد والمنۃ کہ این تفسیر سلاست تحریر حسب الامر ارفع، اشرف اعلیٰ بادشاہ جم جاہ دین پناہ ..... السلطان ابن السلطان الخاقان ابن الخاقان، اسد المعارک والمغازی جلال الدین محمد شاہ عالم بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ - ذرہ خاکسار بے مقدار حکیم محمد شریف خاں بن حاذق الملک حکیم محمد اکمل خاں مرحوم شروع در تسوید و تحریر آن نمودہ بودہ بمساعدت توفیق الٰہی و معاضدت اقبال شاہنشاہی در نیکو ترین ازمنہ و بہتر ادنہ زئیب و زینت اختتام پذیرفت۔"

حکیم شریف خاں کے ہاتھ کا تحریر کردہ تمام و کمال ترجمہ حکیم محمد احمد خاں دہلوی (ف ۱۹۴۳ء) کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب نے مولانا ابوالکلام آزاد کی وساطت سے اس ترجمہ کو دیکھا۔ اس ترجمہ کا نمونہ درج ذیل ہے:۔

"جو تعریف کہ اول سے آخر تک موجود ہے لائق ہے واسطے اللہ کے کہ پالنے والا ہے تمام عالموں کو، بخشنے والا وجود کا آخرت میں، مہربان داخل کرنے والے بہشت کے سے، مالک دن قیامت کا، تصرف کرنے والا، اس دن جو چاہے گا کرے گا، خاص تجھی کو بندگی کرتے ہیں ہم اور خاص تجھی سے مدد مانگتے ہیں ہم، اور بندگی تیرے کے دکھلا تو ہم کو بیچ قول کے اور فعل کے اور اخلاق کے راہ اون آدمیوں کی ...... اور نہ گمراہوں کی۔" (سورۂ فاتحہ)

حکیم صاحب نے اس ترجمے کو "تفسیر قرآن" سے تعبیر کیا ہے، لہٰذا ترتیب لفظی کے باوجود شرح بھی کرتے چلے گئے ہیں تاکہ مفہوم کی وضاحت ہو جائے۔ اس لیے اس میں زیادہ لفظی پابندی نہیں کی گئی ہے۔ اور اردو زبان کی ترکیب کی کسی قدر رعایت موجود ہے۔

ترجمہ قرآن کریم فورٹ ولیم کالج

ذی الحجہ ۱۲۱۷ھ / ۱۸۰۳ء میں فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر گل کرسٹ کی سرپرستی میں قرآن کریم کا ترجمہ شروع ہوا۔ اس ترجمے کے آغاز کی تاریخ "صراط المستقیم الحق ہے بالکل" سے نکلتی ہے۔

مولوی امانت اللہ اور میر بہادر علی حسینی کو اس ترجمے کے لیے مقرر کیا گیا اور کاظم علی شیدا کو زبان کو بامحاورہ بنانے کا کام سپرد ہوا۔ کچھ دنوں ایک بزرگ مولوی فضل اللہ بھی شریک ترجمہ رہے، پانچ سیپاروں کا ترجمہ ہونے کے بعد آپس میں کچھ نزاع ہوگیا، مولوی بہادر علی اس سے علیحدہ ہوگئے اور مولوی فضل اللہ کام کرتے رہے۔ بہادر علی کے بجائے حافظ غوث علی مقرر ہوئے۔

اکیس سیپاروں کا ترجمہ ہونے کے بعد یہ طے ہوا کہ باقی ترجمہ مولوی فضل اللہ کریں اور کاظم علی شیدا عبارت کو بامحاورہ بنائیں۔ اس طرح یہ کام ۹ رمضان ۱۲۱۹ھ مطابق ۲۲ دسمبر ۱۸۰۴ء بروز پنج شنبہ ختم ہوگیا۔

ترجمے کا نمونہ ملاحظہ ہو:[1]

"خدا کے نام سے جو بخشنے والا نعمت دینے ہارا ہے۔ ہر ایک حمد خدا کے لیے ہے کہ وہ مالک سب کا بخشنے ہارا، روزی دینے والا، خاوند روز قیامت کا ہے، ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں، دکھا ہم کو سیدھی راہ، ان کی راہ کہ جن کو تونے نعمت دی نہ ان کی جن پر غضب کیا گیا ہے اور نہ گمراہوں کی۔" (سورۂ فاتحہ)

فورٹ ولیم کالج کے ترجمے میں مندرجہ ذیل امور کو پیش نظر رکھا گیا ہے:۔

(۱) حروف مقطعات کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے۔

---

[1] رسالہ اردو (اورنگ آباد۔ دکن) جنوری ۱۹۳۶ء۔

(۲) ماضی، حال اور استقبال کے جو الفاظ ہیں، مفسروں نے ماضی کو حال اور حال کو استقبال استعمال کیا ہے، اس ترجمے میں اسی طریقے کی پیروی کی گئی ہے۔

(۳) لفظی ترجمے کی رعایت رکھی گئی ہے اگرچہ کہیں کہیں اس کے خلاف بھی ہوا ہے۔

(۴) محاورے کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔

(۵) مفعول مطلق استعمال نہیں کیا گیا ہے۔

(۶) لفظ تاکید کا اضافہ کیا ہے۔

(۷) حُروفِ عاطفہ اور حرف ف کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

(۸) کہیں کہیں شانِ نزول بھی لکھ دیا ہے۔

(۹) کہیں کہیں وضاحت کے لیے حاشیہ میں تشریح بھی کر دی گئی ہے[۱]

قرآن کریم کے اردو ترجمے کے مکمل ہونے کا جہاں تک تعلق ہے، وہ گل کرسٹ ہی کے زمانے میں مکمل ہو چکا تھا۔ قرآن کریم کا پورا ترجمہ ۵۰۰ صفحات میں مکمل ہوا۔ چھپن صفحات گل کرسٹ کے سامنے طبع ہو چکے تھے۔

یہ بات خاص طور سے قابلِ ذکر ہے فورٹ ولیم کالج کو قرآن کے ترجمے سے براہِ راست کوئی تعلق نہ تھا بلکہ گل کرسٹ نے ہندستانی پریس سے شائع کرنے کی نیت سے یہ ترجمہ کرایا تھا۔ گورنر جنرل باجلاس کونسل نے قرآن کے ترجمے کی اشاعت کو نامناسب سمجھا اور اس ترجمے کے تمام مطبوعہ نسخے سکریٹری گورنمنٹ نے حاصل کر لیے۔ اور ان (۵۶ صفحات) کی طباعت میں جو زیر باری گل کرسٹ کو ہوئی تھی وہ رقم اس کو ادا کر دی گئی۔[۲]

---

[۱] تفصیل کے لیے دیکھیے۔ گل کرسٹ اور اس کا عہد۔ از محمد عتیق صدیقی صفحہ ۳۱۰۔۳۱۲ (علی گڑھ ۱۹۶۰ء)

[۲] گل کرسٹ اور اس کا عہد صفحہ ۱۷۸۔ ۱۸۰

اِس ترجمے میں بڑی حد تک شاہ رفیع الدین دہلوی کے ترجمۂ قرآن کی پیروی کی گئی ہے جیسا کہ خط کشیدہ الفاظ سے واضح ہے +

شاہ ولی اللہؒ کی تعلیم (اُردو)

از
پروفیسر غلام حُسین جلبانی

پروفیسر جلبانی ایم اے، سابق صدر شعبہ عربی سندھ یونیورسٹی کے برسوں کے مطالعہ و تحقیق کا نچوڑ یہ کتاب ہے۔ اس میں مصنف نے حضرت شاہ ولی اللہ کی پوری تعلیم کا احصاء کیا ہے اور اس کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحثیں کی ہیں۔
پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا تھا اور قدردان پڑھنے والوں کے اصرار پر دُوسرا ایڈیشن شائع کردیا گیا ہے۔ معیار طباعت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔

قیمت :- ۱۰/۰۰

ملنے کا پتہ
شاہ ولی اللہ اکیڈمی - صدر - حیدرآباد - سندھ

محمد سخاوت مرزا قادری

شمع و پروانہ

ایک دل چسپ نصیحت آموز مکالمہ

مصنّفہ مہدی واصف

حالاتِ مصنّف

مولوی محمد مہدی المتخلص بہ واصف مدراسی ثم حیدر آبادی، ابن عارف الدین خاں رونق صدیقی، تلمیذ علامہ محمد باقر آگاہ، معاصر نواب تاج الامرا والیٔ آرکاٹ (مدراس) جن کا سجع یہ ہے "معروف و عارف است شد زاں عارف" جو انھیں کا نوشتہ ہے۔

محمد مہدی واصف ۱۲۱۷ھ میں بمقام مدراس پیدا ہوئے۔ والد ماجد کے زیر نگرانی تعلیم و تربیت پائی۔ مولانا سید عبد القادر حسینی سے عربی صرف و نحو، عقائد، فقہ و تفسیر اور حدیث کی تکمیل فرمائی۔ اساتذہ میں مولوی عبد الرحمٰن، مولوی یوسف علی خاں تلمیذ حسن علی ماہلی (جونپور)، شیخ محمد قاضی الملک ابن بدر الدولہ تلمیذ بحر العلوم فرنگی محلی، محمد عبد الوہاب [illegible] المخاطب بہ بدر الدولہ شاگرد بحر العلوم تھے۔

آپ کو زبان عربی، ترکی، انگریزی اور تلنگی، کنڑی جیسی ملکی زبانوں پر بھی عبور تھا۔ [illegible] کے مدرسہ میں بھی مدرس رہے اور سترہ سال تک بحسن و خوبی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۱۲[illegible]ھ میں وظیفہ حاصل کیا۔ ترچناپلی جا کر سید جام واعظ نقشبندی سے [illegible]

۱۲۷۰ھ میں حیدرآباد دکن واپس آگئے اور مشہور مدرسہ دارالعلوم حیدرآباد میں بھی مدرس کی خدمات انجام دیں۔

آپ شاعر بھی تھے۔ فارسی و اردو میں خوب کہتے تھے۔ مگر مذاق عالمانہ تھا۔ بالآخر ۱۲۹۲ھ ۱۲ر رجب کو حیدرآباد ہی میں جہان بحق ہوئے۔

آپ کے معاصرین میں خان عالم خاں فاروق متوفی ۱۲۷۱ھ شاگرد اظفری دہلوی وارد مدراس بھی تھے۔فاروق کا عیسائیوں سے اکثر مباحثہ رہتا تھا نیز دلدار علی مجتہد شیعہ سے بھی۔ آپ کو فن موسیقی سے بڑا شغف تھا۔ سید محمد علی واعظ خلیفہ سید احمد بریلوی مدراس آئے اور ان کے وعظ کی بڑی شہرت ہوئی تو آپ کو بھی ان سے ملنے کا اشتیاق ہوا اور ان سے بیعت کرلی۔ شریعت کی اتباع میں بیش قیمت سامان موسیقی توڑ دیا۔ کسی کو نہ دیا۔

اولاد میں حکیم و ڈاکٹر عبدالباسط عشق، مولوی عبدالعلی والہ تلمیذ غالب دہلوی مشہور تھے۔ آپ کے نبیرہ فخر قوم ملا عبدالقیوم کی شخصیت نمایاں تھی۔ نہ صرف شمالی ہند بلکہ مصر و شام وسعودی عربیہ میں آپ بیحد معروف تھے اور کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ آب زم زم کا قضیہ جس کو انگریزوں نے اٹھایا تھا، سخت مخالفت اور ان کو نیچا دکھا دیا۔ ان کے صاحبزادے ملا عبدالباسط مجسٹریٹ بھی عالم و فاضل تھے۔ اپنا آبائی کتب خانہ نادر و نایاب حوالہ جامعہ عثمانیہ کردیا۔

غرض مہدی واصف کثیرالتصانیف تھے۔ باون کتب سے زائد کے مصنف تھے جن میں اہم ترین درج ذیل ہیں:-

۱۔ تذکرہ علمائے مدراس الموسوم بہ حدیقۃ المرام عربی (ترجمہ اردو مع حواشی از راقم)

۲۔ ترجمہ درالمختار جلد اول

۳۔ ترجمہ موجز

۴۔ ترجمہ اصول عشرہ نثر اردو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قلمی ترجمہ مکتوبہ ۱۲۸۹ھ ۳۲ صفحات (بایماء شاہ بخارا)

۵۔ تفسیر مطالب القرآن قلمی کتب خانہ سعیدیہ حیدرآباد دکن

۶۔ ترجمہ جلالین تحت اللفظی موضح القرآن مع فوائد و مطالب بیضاوی از قاضی الملک محدث (مدراس) صفحہ ۱۰۹۶ ۔

۷۔ جواہر الفوائد فارسی احادیث اخلاق و تصوف تالیف ۱۲۷۴ھ قلمی جامعہ عثمانیہ صفحات ۱۶۴ فل اسکیپ سائز عبارتِ حاشیہ :۔ فصل در بیانِ امامت، فضیلتِ جمعہ، زیارتِ قبور و دم کردن بیمار۔

۸۔ الرسالۃ البہیۃ الدافعۃ نسبۃ المرجئۃ الی الحنفیۃ

۹۔ اسقاط الظہر بسبب الجمعۃ فی ملک ملکہ

۱۰۔ فصل الخطاب و استفتائے نکاح سنی و شیعہ مطبوعہ پٹنہ (بہار)

۱۱۔ دلیل ساطع اردو۔ ہندی، فارسی، سنسکرت (لغت) تصنیف ۱۲۵۹ھ کتب خانہ سعیدیہ۔

۱۲۔ ڈکشنری انگریزی (کتب خانہ ملا عبدالباسط) اصل مسودہ مصنف مخزونہ کتب خانہ عمر الیافعی مرحوم حیدرآباد دکن)

۱۳۔ منہاج العابدین مصنفہ امام غزالی ترجمہ مہدی واصف اردو خلاصہ کیمیائے سعادت (مطبوعہ مظہر العجائب مدراس ۱۲۷۵ھ)

۱۴۔ املانامہ واصفی اردو۔ (مطبوعہ ۱۲۶۷ھ مدراس) نمونہ :۔ باب الالف:

ابتدا، ابتغا، ابتلا، استہزا، اشترا + اعتلا + اغما +

مؤلفات + مواسات + موالات +

غسیل شستہ شدہ : غسیل الملائکۃ لقب حنظلہؓ بن عامر کہ در حالت جنابت در جنگ احد شہید شد الخ

۱۵۔ دیوان فارسی۔ دو ہزار ابیات تقریباً۔ بعض اشعار یہ ہیں :۔

از زاری من بلبل نالاں گلہ دارد — واز رشک جگر گوں گل خنداں گلہ دارد

ترا کان ملاحت آفریدند — مرا شور قیامت آفریدند

چارۂ ایں دل بیمار کنم یا نکنم — خواہش شربت دیدار کنم یا نکنم

واصف نے سلسلہ نقشبندیہ کی خوب تعریف کی ہے جس کا تعلق شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے بھی تھا۔ چنانچہ اس طرح سراہا ہے ؎

عنوان "چراغ نقشبندی"

شمع کہتی ہے زبانِ آتشیں سے خلق کو ۔۔۔ کلبۂ تاریک میں اپنے کرو روشن چراغ
نقشبندوں کے درِ دولت کا ہے دریوزہ گر ۔۔۔ نور سے اپنے بچھاتا ہے جو یوں دامن چراغ

تفصیل کے لیے راقم کا مضمون رسالہ العلم کراچی اکتوبر و دسمبر ۱۹۶۷ء میں ملاحظہ فرمائیں۔

ہم یہاں صرف "دل چسپ مکالمہ عاقل بہ فاسق و فاجر دولت مند" جو غیر مطبوعہ ہے ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔

اردو ترجمہ "شمع و پروانہ" فارسی

مصنفہ
مولانا مہدی واصف

فرزانہ نے اترا کے کہا کہ مجھ کو اللہ میاں نے عقل عطا فرمائی ہے اور نفس ناطقہ یعنی روح بھی۔ اور تمام حیوانات سے مجھ کو ممتاز فرمایا ہے۔

دیوانہ: دیوانے نے جواب دیا کہ فرزانگی عقلمندی تو خداداد نعمتِ حقیقی ہے۔ اور تو نے کمینہ پن اور بیہودہ گوئی کا نام دانش و عقل رکھ چھوڑا ہے اور نفس ناطقہ تو معقولات کا مدرک ہے۔ میں تو تیرے افعال کو عقلِ سلیم کے خلاف دیکھتا ہوں۔

فرزانہ: جنابِ من! یہ لباسِ فاخرہ جو میں پہنا ہوا ہوں اور یہ عالی شان کوٹھی جو میری ہی بنائی ہوئی ہے اور یہ قسم قسم کے مزیدار لذیذ کھانے اور یہ ہاتھی، گھوڑے اور تزک و حشم میری عقلمندی کی نشانی نہیں تو اور کیا ہے۔

دیوانہ نے جواب دیا کہ تجھ کو حضرت سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی کچھ خبر ہے۔ انھوں نے تو کبھی زرق برق لباس پہنا ہی نہیں اور ان کے

مکانات تو ایک معمولی گھر اور جھونپڑی کے سوا کچھ نہ تھے ۔ اور رنگ برنگ کی لذیذ غذاؤں سے جس سے شہوتِ نفس اُبھرتی ہے حتی الامکان پرہیز فرمایا کرتے تھے اور اُن کے گھوڑے کی سواری تو بس اُن کے دو پاؤں ہی تھے فی الغالب ۔ اور ہاتھی کو تو انھوں نے اصحاب فیل کی نذر کر دیا تھا اور خادم اور غلاموں کو تو وہ اپنا بھائی اور فرزند سمجھتے تھے اور تیرا عمل تو اس کے بالکل خلاف ہے ۔

فرزانہ : جناب والا ! اگر میں فرزانہ نہ ہوتا تو اتنے عقلاء اور ذہین لوگ میرے دامنِ دولت میں نہ رہتے اور رات دن میری محفل میں قدم رنجہ نہ فرماتے ۔

دیوانہ نے جواب دیا کہ تو ان دوستوں کا جو جمگھٹ اپنے پاس دیکھتا ہے یہ تو شہد کی مکھیاں ہیں جو شہد کے اطراف بیٹھی رہتی ہیں ۔ تو مخلوق کے مجمع کو عقلمندی کی نشانی سمجھتا ہے ! کیا خوب ۔ اس سے تو تیری بے وقوفی ثابت ہوتی ہے ۔ کیونکہ اس زمانہ میں گوشہ نشینی ہی لازم ہے ۔ کیوں کہ بنی آدم کی سرشت میں سوائے شر اور فساد کے اور کیا ہے ؟ تو نے یہ نہیں سنا کہ بزرگوں نے فرمایا ہے

اَلسلامۃُ فی الوحدۃِ والآفات بین الاثنین "تنہائی میں امن و سکون ہے اور جہاں ایک سے دو ہوئے تو پھر وہاں آفت ہی آفت ہے"

خیر اس سے قطع نظر میں نے تو تیری مجلسوں میں کبھی اخلاق کا نام بھی نہیں سنا کہ کس چڑیا کا نام ہے اور موت کا نام تو شاذ و نادر ہی آتا ہے اور روزِ محشر اور عذابِ دوزخ کی فکر اور خوف سے میں نے کبھی تجھ کو آنسو بہاتے نہیں دیکھا اور نہ تو نے کبھی اپنے ہم نشینوں کو توشہ عاقبت کی دعوت ہی دی ۔

فرزانہ : کیا یہ میری عقلمندی پر مشتمل نہیں ہے کہ میں نے اپنی قوت جوانی کے غرور میں دو دو تین تین چار چار کر کے کثرت سے زر و مال جمع کیا اور ہر شب ایک محبوبہ میرے پہلو میں رہتی ہے اور دنیوی عیش و عشرت میں میرا دل غرق ہے ۔

دیوانہ : استغفراللہ تیری اس حرص پر کہ کثرتِ ازواج اور جماع تیری بیوقوفی کی دلیل قاطع ہے کیوں کہ تجھ کو اپنی جوانی کے زور پر گھمنڈ ہے حالانکہ مباشرت تیرا جنسی ملاپ

تجھ کو فنا کرنے والا ہے - بلکہ آدمی کی زندگی میں انحطاط پیدا کر دیتا ہے اور محبوبہ سے ہم آغوشی کا نتیجہ بُرا ہے کیونکہ جب تیرے قوی کمزور ہو جائیں گے، ہاتھ پاؤں میں قوت نہ رہے گی بال سفید ہو جائیں گے اور اصلی سرمایہ کثرت مجامعت اور جدائی سے کم ہو جائے گا تو تیری وہی محبوبہ تجھ کو اپنی نظر سے گرا دے گی اور پھر تیرا نام بھی نہ لے گی - اس لیے حقیقی دانش مندی عقلمندی کی بات یہی ہے کہ تو عورتوں کی صحبت ترک کر دے خصوصاً اس زمانہ میں بقول ع

زن شوہر شوہر است و شوہر زن زن -
یعنی شوہر کی عورت تو شوہر ہو گئی ہے اور عورت
کا شوہر خود عورت ہو گیا ہے -

بعض علماء نے اس خراب زمانے میں مردوں کو نکاح کی سخت تاکید کی ہے - اس کو خوب سمجھ لے اور مجھ کو دیوانہ مت مشہور کر -

فرزانہ : اے سادہ لوح بے وقوف! یہ جو مرصع انگوٹھی میرے ہاتھ میں ہے تو اس کو کس طرح دیکھتا ہے اور اس بیش قیمت زمانے میں جو میں سونے کی زنجیر گلے میں پہنا ہوا ہوں کیا یہ میری عقلمندی پر گواہ نہیں ہے ؟

دیوانہ : یہ چیزیں تو تیرے کمینہ پن کی آئینہ دار ہیں - کیوں کہ مردوں کا زیور تو حُسن خلق اور علم و فضل ہے - اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی میں صحابہؓ سے لے کر تابعین تک کسی نے بھی اپنے گلے میں طلائی زنجیر نہیں پہنی - دوسرے یہ کہ اپنے اوقات کو اس طرح صرف کرنے سے سوائے غرور و نخوت کے تجھ کو اس سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا - کبھی تو نے اپنے دوست احباب کی مجلس میں اپنے رات دن کے اوقات کا محاسبہ بھی کیا ہے اور آخرت کے کام میں اپنا وقت گزارنے کی کبھی تاکید بھی کی ہے میں نے تو کبھی نہیں سُنا بقول اس ضرب المثل کے وقت تو شمشیر قاطع تیری زبان سے نکلا ہو - تو قیامت کے دن کی فکر کر اور سونے چاندی کے درخشاں زمانہ سے اتنی محبت مت کر -

فرزانہ : اس میں کیا شک ہے کہ قیامت کا آنا برحق ہے لیکن بظاہر اُس کے آنے

میں تو ابھی دیر ہے - امیدوں، آرزوؤں کو نظر انداز کر دینا اس چیز کے خوف سے جو آنے والی ہے کوئی عقلمندی کی نشانی نہیں ہے۔

دیوانہ : یہ فرزانگی جو تجھ کو حاصل ہے غارت ہو اور میری دیوانگی برقرار رہے تو نے قیامت کو دُور سمجھ رکھا ہے ؟ قیامت دو طرح کی ہے ایک تو قیامت صغریٰ ہے اور دوسری کبریٰ - صغریٰ تو موت کا نام ہے اور کبریٰ مُردوں کا زندہ ہونا اور حساب و کتاب ہے اس کو معاد کہتے ہیں۔ قیامتِ کبریٰ سے تیری اس قدر بے فکری کس قدر نادانی پر مبنی ہے۔ آنحضرت سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :

مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ -

یعنی جو شخص اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا تو گویا
اُس کی قیامت آ گئی۔"

یعنی روزِ محشر کا ہول، دوزخ کا عذاب اور باز پُرس کا شور و غُل، سانپ بچھو اور آہنی زنجیریں جو کنجوسوں اور متکبروں کے پاؤں میں پہنائی جائیں گی موت آتے ہی انسان کی تدفین کے بعد ہی نظر کے سامنے آ جائیں گے۔

فرزانہ : جناب والا! میرے تو شفیع بہت سے ہیں مثلاً نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن، اور اولیاء اللہ سے محبت و وارفتگی اور خود سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مقام محمود میں شفاعت، کا دروازہ کھول دیں گے اور مجھ کو عذاب الیم سے نجات دلائیں گے۔

دیوانہ : اے احمق بظاہر فرزانہ! تیرا شفاعت پر بھروسہ اور اعمال سے دستبرداری تیری کمزوری اور کمینگی کی علامت ہے۔ شفاعت کو محققین علماء نے مدلل آیات سے ثابت کیا ہے کہ وہ تو اذن پر موقوف ہے۔ جو روزہ اور نماز ریاکاری پر مبنی ہو وہ کس طرح شفیع ہو سکتا ہے ؟ تُو تو کبھی حضورِ قلب کو کام میں نہیں لایا اور بہرہ ور نہیں ہوا اور تلاوتِ قرآن میں تو تیرا دل گلی کوچوں اور مال وزر اور مال وزر اور عورتوں کے حسن، فرش وعرش، لباس و سامانِ عشرت میں مستغرق تھا۔ اور سرکارِ دو عالم تو ہرگز ایسے شخص کی شفاعت نہیں کریں گے جو مال و تمکنت کے غرور میں شرک سے منہ نہ موڑے اور ریاکاری

تو خود ایک شرک خفی ہے بقول

محمدؐ کسے را شفاعت گر است
کہ بر جادۂ شرعِ پیغمبر است

تو کیا تونے طریقۂ محمدیؐ کی دل و جان سے پیروی کی ہے یا گمراہی اور بدعتوں کی ترویج میں گڑ گیا تھا یا کبھی تونے گمراہ فرقوں کی دوستی اور ان کے ساتھ اختلاط میں (یعنی اہلِ ہنود اور یہودیوں وغیرہ اور اسلام کے مخالف مذہب) جنھوں سے رشتہ توڑ دیا تھا؟ تو پھر اپنے غرور اور نفس اور شیطان کے فریب میں آکر جو دین رہزنوں میں سے ہیں اُن میں خود کو شریک سمجھتا ہے۔ آیت

وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ

کو اپنے دل پر منقش کرلے۔

فرزانہ: اے دیوانے! تیری باتوں سے تو شفاعت سے انکار ثابت ہوتا ہے جو اہلِ سنت کا عقیدہ ہے۔ اور شفاعت کا منکر بدعتی اور گمراہ ہے۔ اگر یہ عقیدہ تیرے دل میں بیٹھ جائے تو تجھ کو جہنم میں جھونک دیں گے۔

دیوانہ: حاشا للہ، میں کیا شفاعت کا منکر ہوں۔ میں تو سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کسی شک و شبہ کے شفیعُ المذنبین جانتا ہوں۔ بقول ؎

شَفِیْعٌ مُّطَاعٌ نَّبِیٌّ کَرِیْمٌ
قَسِیْمٌ جَسِیْمٌ بَسِیْمٌ وَّسِیْمٌ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات ہیں۔ خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حوضِ کوثر سے بنص قرآنی و احادیثِ نبوی، اُس شخص کو کافی فائدہ پہنچ سکتا ہے، جو ظاہری اور باطنی طور پر مسلمان ہو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور سنت کو یہ دل و جان سے عزیز رکھتا ہے اور اہلِ بدعت اور بے ادب وہابیوں کے ساتھ جھگڑتا رہتا ہے کیونکہ بدعت اُس کی محبوب عورت، ماں یا بہن، چچازاد بہن اور حقیقی دادی یا غیر حقیقی دادی ہوئی ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو، شفاعت اس کے لیے سزاوار ہے جو خدائے تعالیٰ اور اُس کے حبیب

کے ساتھ باوجود انتہائی محبت کے شیطان کے اغوا سے جو خلوت اور جلوت میں اُس سے واقع ہو اُس گناہ سے جو بامزہ ہو مثلاً شراب نوشی، زنا کاری، سود خوری اور قمار بازی وغیرہ کا مرتکب ہو۔ نہ کہ اس گناہ سے جس میں کوئی مزا ہی نہ ہو اور گناہ بے لذت کا ارتکاب تو غرورِ نفس اور شیطان کا ایک فریب ہے مثلاً غمازی، نمامی، غیبت کرنا اور تہمت آشنا اہلِ بدعت کو نذر دینا، سماع کا سننا اور طوائفوں، نوجوانوں یا لونڈوں کا ناچ دیکھنا۔ نامحرم عورتوں کو شہوت کی نظر سے دیکھنا اگرچہ کہ میوہ اونچی شاخ پر ہوتا ہے جہاں ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ غرض خلاصہ یہ کہ بموجب حکم آیتِ کریمہ

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا

جس میں اہلِ شرک اور بدعتیوں کو دوزخ کی آگ سے خوف دلایا گیا ہے اور حق تعالیٰ اس بات کا مختار ہے کہ وہ فاسق کو جنت دے دے اور زاہد کو دوزخ میں ڈال دے، اس لیے شفاعت پر مغرور ہونا نہیں چاہیے۔

فرزانہ : کیمیائے سعادت میں امام غزالی نے سماع کی حلّت کے متعلق تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور اس زمانہ میں اکثر مشائخ اور علماء تو سماع کو جائز سمجھتے ہیں۔

دیوانہ : اگلے زمانہ میں سماع بغیر مزمار کے، لڑکوں اور عورتوں اور اہلِ غرض لوگوں کی شرکت کے بغیر جائز تھا اور اب بالاتفاق حرام ہے جیسا کہ عوارف المعارف مصنفہ شیخ شہاب الدین سہروردی میں بیان کیا گیا ہے۔

فرزانہ : طوائفوں کے ناچ کو آپ نے بے مزہ کیوں قرار دیا ہے، حالاں کہ حُسن و جمال اور ان کے ناز و نخرے اور ان فاحشہ عورتوں کی رنگ برنگ کی پوشاک اور قسم قسم کے زیورات کو تو دیکھ کر آنکھوں میں نور اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔

دیوانہ : میں نے رقص کو اس لیے گناہ بے لذت کہا ہے کہ بغیر عورت والے مرد کو ان فاحشہ عورتوں پر نظر ڈالنے سے ان کے ساتھ حرام کاری کو دل چاہتا ہے جو کبھی انتشار کا کا موجب ہو جاتا ہے اور بعض کو گہری نیند میں احتلام لاحق ہوتا ہے۔ لیکن نغمہ و سرور کے

وقت نوشہ یا نوشہ کے باپ سے اس کا معاوضہ لینا پڑتا ہے اور سوائے آنکھ کے اشارے اور غمزہ کے رات ہونے کے انتظار میں نیز اس منزل میں دل کی بیقراری اور سوائے تلوث کی خواہش کے کوئی اور چیز حاصل نہیں ہوتی۔

فرزانہ : تونے کیا یہ نہیں سنا کہ عید کے دنوں میں خاتم نبوت کے عہد میں چند حبشی پاؤں کو کوٹتے اور ناچتے ہوئے آئے تھے اور حضرت بی بی عائشہؓ نے جو دس سال ہی کی تھیں سردار دو عالم کے دستِ مبارک پر اپنی ٹھڈی رکھ کر ان بدکاروں کا ملاحظہ فرمایا تھا۔

دیوانہ : جی ہاں، میں نے حدیث کی کتابوں میں دیکھا تو ہے لیکن، اے بھائی

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

پہلے تو یہ کہ ام المؤمنین عائشہؓ خاتون کی عمر دس سال کی تھی۔ دوسرے یہ کہ وہ زمانہ امت کے نیک لوگوں کا تھا، تیسرے یہ کہ سردارِ دو عالم کی عزت و حرمت کا خداوند تعالیٰ محافظ تھا جس طرح کہ ہر نبی کے ناموس حافظ وہی ہے جس طرح کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ چوتھے یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شرم و حیا میں کوئی نظیر نہ تھی۔ چنانچہ بی بی صاحبہؓ حضرت عمرؓ کی تدفین کے وقت اچھی طرح کپڑے پہن کر اس جگہ تشریف لے گئیں تھیں، علیٰ ہذا القیاس۔

فرزانہ : مجھے تو حق تعالیٰ کی محبت کافی ہے۔ امید تو یہ یہی ہے باقی ہوس ہے چنانچہ یہ ضرب المثل مشہور ہے۔

دیوانہ : اے فرزانہ! خدا کی محبت بغیر مخلوق کے ساتھ محبت کے کس طرح مکمل ہو سکتی ہے اور کمال کو پہنچ سکتی ہے۔ پہلے تو مسلمان کو رسول اللہؐ سے محبت چاہیے کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی تک پہنچانے کا وسیلہ ہیں۔ اس کے بعد آنحضرتؐ کی آل و اصحابؓ سے دلی خلوص اور محبت چاہیے کیونکہ آپؐ کی توہین کا لفظ زبان پر لانے سے کافر اور بے دین نہ ہو جائے۔ پھر والدین، استاد، بزرگانِ دین اولیاء عظام اور علماء کرام کے ساتھ خواہ وہ بقید حیات ہوں یا رحلت کر چکے ہوں،

محبت اور خلوص رکھنا چاہیے۔ اپنے آقا اور مالک سے بھی محبت اور حُسن ارادت رکھنا چاہیے نیز زوجہ کو اپنے شوہر سے محبت ہونی چاہیے کیوں کہ شوہر واجب التعظیم ہے ہر صورت میں خواہ وہ مفلس ہو یا دولتمند، کمزور ہو یا کم حیثیت یا بلند حیثیت، خواہ وہ خوبصورت ہو یا کریہُ المنظر ہو، جوان ہو یا بوڑھا۔ بلکہ لونڈیوں، غلاموں اور یتیموں سے۔ اور محبت خداوند عالم کی ایک مکمل اور متمم محبت ہے۔ چنانچہ یتیموں کو نہ جھڑکنے کے لیے حق تعالیٰ کا فرمان ہے۔ بقول سعدی

عبادت بہ از خدمت خلق نیست،
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

فرزانہ: کسی شخص کی ظاہری حالت دُرست ہوتی ہے تو اس کا باطن بھی ٹھیک ہوتا ہے۔ ظاہری حالت باطن کی شاہد ہے۔ بقول

الظاہر عنوان الباطن۔

دیوانہ: جی ہاں! آپ نے ٹھیک تو کہا لیکن آخرت پر ایمان رکھنے والے علماء کا خیال ہے کہ جن کا ظاہر اچھا ہوتا ہے وہ اکثر باطن کی درستگی سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ بقول ع

درون ساز برون ساز نگردد ہرگز۔

اگر دین کے کام ظاہری آرائش ہی پر ختم ہو جاتے تو توحید کے عقیدہ میں اقرار زبان کے ساتھ دل کی تصدیق لازم نہ ہوتی۔ شریعت کی مثال کشتی کی سی ہے، طریقت سمندر کے مانند ہے۔ اور معرفت کی مثال ایک سیپی کی ہے اور اس میں راہ حقیقت ایک موتی ہے۔ جن کو ظاہری آرائش سے صرف اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کو مسلمانوں کی مجلس میں ایک خاص مقام پر بٹھلاتے ہیں اور سلام کرتے ہیں، لیکن بغیر باطنی حالت کی اصلاح کے بارگاہِ خداوندی میں اس کو تقرب حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ ہمارے علماء دین اور مشائخ اہلِ یقین نے اپنی فراستِ ایمانی سے کفار کے زنار کو جو اسلامی لباس میں ان کے پاس آئے تھے توڑ کر پھینک دیا ہے۔ جیسا کہ ملا حسین کاشفی نے "اخلاقِ محسنی" میں بیان فرمایا ہے۔

اے فرزانہ! دُوسرے یہ کہ انسان کے ظاہر کی خرابی باطنی عمارت پر دال ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہ ظاہر تو دیوانے نظر آتے تھے لیکن اُن کی باطنی عمارت اور روشنی ستاروں کی طرح درخشاں تھی۔ عشقِ الٰہی کا نور اُن کی پیشانی سے چمکتا تھا بمصداق حدیث

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ

میرے اصحاب تو ایسے ہیں۔ جیسے روشن ستارے

اے فرزانہ! اور بھی سُن لے کہ زیب و آرائش کے لیے دولت درکار ہے اور باطنی آرائش کے لیے فقر و فاقہ، زہد و ورع اور حُسنِ اخلاق لازم ہے اور اخلاقِ ذمیمہ سے مثلاً شرک و حَسَد، بغض و دشمنی، غرور وغیرہ تو گلستان دل کے لیے گویا خارزار بلکہ آتش دان ہے اور بدترین۔ اس کی مثال تو نعوذ باللہ بیت الخلاء کا نمونہ ہے۔

فرزانہ: اولاد کی تربیت اور اُن کی نگہداشت تو ایک نیک کام ہے لیکن میں نے بعض اشخاص کو دیکھا ہے کہ اپنے بیٹے کو تو وہ ظالم استاد کے اور بیٹی کو کسی ظالم معلمہ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ حقیقت میں اولاد پر یہ ظلم ہے۔

دیوانہ: اے فرزانہ! تو نے یہ کچھ عقلمندی کی بات نہیں کہی، اولاد کی تربیت و تادیب تو ماں باپ پر فرض ہے اور وہ بغیر مار پیٹ اور گوش مالی کے کوئی چارہ نہیں۔ علماء کے وعظ و نصیحتوں سے تو محروم معلوم ہوتا ہے جو تو اس طرح کی گفتگو کرتا ہے۔ تو نے یہ نہیں سُنا کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ

ضَرْبُ الصِّبْیَانِ کَالْمَاءِ فِی الْبُسْتَانِ

بچّوں کو زد و کوب کرنا ایسا ہے جیسے باغ کی آب یاری کرنا ہے۔

بقول: جورِ استاد بہ ز مہرِ پدر - یعنی باپ کی شفقت و محبت سے استاد کی سختی اچھی ہے۔ جو لڑکا کہ استاد کے ادب کی چوب سے تکلیف نہیں اٹھاتا اور جو لڑکی کہ استانی کی گوش مالی کی اذیت نہیں سہتی اور جو بیٹے اور بیٹیاں ناز و نعمت میں پرورش پاتی ہیں وہ بالآخر بے ادب، گستاخ اور بے ہنر، گائے اور گدھے کے مانند ہو جاتی ہیں۔ یس

اس سے زیادہ اور کچھ کہنا آداب کے خلاف سمجھتا ہوں۔ اے فرزانہ! تم تو عمر رسیدہ ہو، باوجود اس کے اولاد کی تربیت کے متعلق تمھاری رائے غلط ہے۔ اور یہ مثل تمھاری حالت پر صادق آتی ہے کہ

"ہماری گائے بوڑھی ہوگئی بچھڑا نہ ہوسکی"

فرزانہ: لڑکیوں کی شادیوں میں لوگوں کا زیادہ مہر باندھنے کا رواج ہے اور یہ کام تو بڑی ہوشیاری اور عقل مندی کا ہے، ایسا نہ ہو کہ داماد سرکش اور آوارہ نکل جائے اور لڑکی کو معمولی تھوڑا سا مہر دے کر نکال باہر کردے۔

دیوانہ: خدائے تعالیٰ تمھاری عمر دراز کرے اور نیک توفیق عطا فرمائے تم نے جو یہ کہا کہ کارِ خیر میں سختی جس کا نتیجہ شر و فساد ہو۔ گویا تم نے رسول کریمؐ کی سنت اور حضرت عمرؓ کی پیروی سے روگردانی کی۔ مہر میں غلو سے کام لینا خلافِ شرع ہے۔ اکثر لڑکیاں مہر میں غلو اور نکاح نامے میں اُس کے اندراج سے مغرور اور متکبر ہوجاتی ہیں، خصوصاً جب کہ شوہر مفلس اور نادار ہو۔ اور زوجہ کو مہر مؤجل ادا کرکے بے باق ہوجانا اگر شوہر کو اس سے سروکار نہ ہو تو پھر کوئی امر مانع نہیں ہے۔ لڑکی کی تربیت کے وقت اُس سے چھٹکارا پانے کی فکر کرنا چاہیے۔ کیونکہ اگر داماد کے سر پر کوئی بلا نازل ہوجائے یا آسمان سے اُس کے گھر میں بجلی گر پڑے تو وہ بے چارہ کیا کرے۔ ناچار مباح چیزوں سے مخالفت یعنی اُس کا دل طلاق دینے پر مائل ہوجاتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ دانش مندوں کے حالات کی جستجو صلاح و تقویٰ، علم و ہنر وغیرہ کے بارے میں واجبات میں سے ہے۔ نیک بخت داماد تھوڑے مہر پر مغرور نہیں ہوتا اور بدبخت داماد بھاری مہر سے نہیں ڈرتا۔ خلاصہ یہ کہ نیک داماد اور نیک لڑکی کو ہرگز نظر انداز نہ کرے۔ بقولہٖ تعالیٰ

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً
وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○

اِس آیت میں حَسَنَہ یعنی نیکی سے مراد نیک انسان کی خواستگاری ہے۔ اس کو مت بھولو اور خوب یاد رکھو۔

فرزانہ : میں ایسا بدنصیب ہوں کہ نیک خصلت، خوبصورت، گل اندام کو جس نے تنبیہاً کبھی چھڑی کی ایک مار بھی نہ کھائی تھی، غلطی سے ایک شریر النفس، جھگڑالو، داماد کے سپرد کردیا اور عرصہ دراز سے اس کا گلہ شکوہ کرتی ہوئی میرے ہی گھر میں مقیم ہے اور اُس ظالم اور دل آزار شوہر سے جدا ہوکر پھر میرے ہی سر پہ بیٹھی ہوئی ہے۔

دیوانہ : اَسْعَدَكَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِى الدَّارَيْنِ (خدائے تعالیٰ تم کو دونوں جہانوں میں نیک بخت کرے) تم نے یہ خوب کیا کہ ٹلی ہوئی بلا کو پھر مول لے لیا۔ میں تم کو قسم دیتا ہوں، خدا واسطے میرے سوال کا جواب دو۔ تمہاری لڑکی کا مہر کتنا ہے؟ کہا کہ ایک لاکھ درہم ہے۔ کہا: تمہاری لڑکی نے نماز کے لیے پارہ عم بھی پڑھا ہے؟ کہا کہ نہیں۔ اُس کی ماں نے لڑکی کو کبھی تنبیہ بھی کی تھی؟ جواب دیا کہ نہیں کی تھی۔ جب لڑکی تمہارے گھر آئی تھی تو کیا وہ آنسو بہاتی ہوئی آئی تھی؟ کہا کہ ہاں روتی ہوئی آئی تھی۔ تو کیا لڑکی کے آنے کے بعد تم نے اُس کے شوہر کو بلوا کر حالات دریافت کیے تھے یا نہیں؟ کہا کہ نہیں۔ تو دیوانے نے اس کے سامنے یہ آیت پڑھی۔

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ۔ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ

قَضَا عَلَى الْغَائِبِ (غائب شخص کے متعلق فیصلہ کرنا) تم نے کس سے سیکھا ہے؟ یہ تو کافروں کی شریعتوں میں بھی جائز نہیں تو پھر سردارِ انبیاء کی شرع مبین میں کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ تن تنہا تم قاضی کے پاس جاؤ گے اور خوش خوش راضی ہوکر لوٹو گے۔ مثل مشہور ہے۔ مکر و فریب اور شر و فساد آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک عورتوں کی طینت میں موجود ہے۔ تم نے لڑکی کے بیان پہ کس طرح یقین کرلیا اور داماد پر ستم ڈھادیا۔ احتمال تو یہ ہے کہ داماد کے پاس کوئی اور عورت اُس کی جائز مدخولہ موجود ہو اور تمہاری لڑکی اپنی سوت کے ساتھ رہنے سے ناراض ہوگئی ہو۔ اُس کا نماز نہ پڑھنا اس کے تمرد اور گناہ پر دلیل ہے۔ اور لڑکی کا اپنے شوہر کے گھر سے روتے ہوئے آنا قسم خدا کی اُس کا مکر وفریب ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ

یہ ایک ایسی حکمت آمیز نصیحت ہے جس سے تمام مسلمان واقف ہیں۔ اگر تم نے لڑکی کو باادب نہیں بنایا ہے تو وہ کس طرح نیک خصلت ہوگی۔ جو اشخاص لڑکی کے بیان پر بھروسہ کرکے داماد کو سرزنش کرتے ہیں یا اس کو اپنے گھر سے نکال دیتے ہیں یا اُس سے مہر کا مطالبہ کرتے ہیں یا خلع کرانا چاہتے ہیں تو یہ ان کی نادانی ہے گویا بظاہر بڑے عقلمند مشہور ہو جاتے ہیں۔

اے فرزانہ! اگر تجھ کو احباب کا مشورہ عزیز ہے تو فوراً اس مجلس سے اٹھ کر اپنے گھر چلا جا اور اپنی مکّار لڑکی کو تنبیہ کر اور اپنی گھر والی سے جھگڑ کر لڑکی کو جبرًا اور قہرًا اُس کے شوہر کے گھر جو غریب و مسکین اور بے قصور ہے، روانہ کردے اور لڑکی کو تاکید کردے کہ اگر تو پھر میرے گھر آئے گی تو میں ہرگز تجھے گھسنے نہ دوں گا۔

فرزانہ: میں نے اپنی لڑکی کے جہیز میں بھاری جوڑے اور بہت سے زیورات دیئے اور داماد کو شال اور فاخرہ لباس و زیوات و جواہر دیئے۔ جب لڑکی اُس سے رنجیدہ ہو کر آگئی تو میں نے تمام اپنی عطیہ چیزیں واپس لے لیں۔

دیوانہ: جَزَاكَ اللّٰهُ خَیْرًا تو نے اپنی سگ طینی کا خوب مظاہرہ کیا ہے اور اپنی قے کو پھر کھالیا۔ جس طرح کہ ایک کتا اپنی قے کو خود کھالیتا ہے۔ لڑکی کی رنجش کے بہت اسباب ہیں۔ جہیز کا سامان واپس لینے کی کیا وجہ تھی؟ تیری عقلمندی تو اسی میں ہے کہ پھر ان عطیات کو داماد کے حوالہ کردے اور لڑکی کو تنبیہ کرے۔

فرزانہ: میرے آباؤ اجداد سب اہل سُنّت والجماعت ہیں۔ میں حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کا منکر نہیں ہوں لیکن میری عقل ناقص میں یہ بات آتی ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا حق حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب (اللہ بہتر جانتا ہے)

دیوانہ: دیوانے نے کہا؎

تو کار زمیں را نکو ساختی　　　که با آسمان نیز پرداختی

زمین کی نہ آسمان کی۔ ایک بڑا مسئلہ تو نے چھیڑ دیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس مبحث میں

مجھ جیسا دیوانہ کم سواد کیا کہے کہ تیرے ذہن نشین ہو جائے۔ اور تیرے دل میں اُتر جائے۔ خیر جان لے اے فرزانہ! **امامت کی دو قسمیں ہیں**۔ ایک تو امامت صغریٰ ہے اور دُوسری کبریٰ۔ امامتِ صغریٰ تو پیش امامی ہے اور کبریٰ سے مراد اہلِ اسلام کی حکمرانی ہے اور انتظام کی باگ ڈوران کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ بالضرور خاتم الانبیاءؐ کی وفات پر اس حکومت کا انتظام آنحضرتؐ کی تدفین پر مقدم ہو گیا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز کے کام کو اہلِ بیت کے سپرد کر کے امیرالمومنین (جو رسول کریم کا خلیفہ ہوتا ہے) کے انتخاب کے لیے ایک جگہ جمع ہو گئے اور اس کے متعلق آخری رائے یہ قرار پائی کہ حضرت صدیق اکبرؓ امیرالمومنین ہوں گے اور سب نے ان سے بیعت کی۔ حضرت امیر یعنی علیؓ بن ابی طالب نے تعزیت کے ایام گزارنے کے بعد آپ سے بیعت فرمائی۔ اس بیعت کو تقیہ پر محمول کرنا گمراہی اور کم ظرفی کی علامت ہے کہ اَسَدُ اللّٰہ (اللہ کے شیر) کو تقیہ سے کیا سروکار ہے۔ تقیہ تو بزدلی کی دلیل ہے۔ نیز راوی یہ بھی کہتا کہ جب حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو آپ نے فرمایا کہ اے علیؓ! میں تم سے بیعت کرنا چاہتا ہوں تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ایسا مت کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے افراد بھٹک نہ جائیں۔ آپؓ نے سرورِ عالمؐ کے زمانہ حیات میں نماز کی امامت فرمائی ہے۔ اب خلافت آپ کے لیے بالاتفاق واجب ہے۔ میں بھی آپ کا دل و جان سے تابع ہوں۔

تو اب اے فرزانہ! یہ جان لے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی دلیل قرآن اور حدیث میں موجود ہے۔ نیز حضرت ابوبکرؓ جہاں دیدہ، کارآزمودہ، خیرخواہِ خلق، اور حضرت رسولِ کریم کے خُسر بھی تھے اور بڑی شجاعت کے مالک تھے۔ اور جو اشخاص کہ آیت

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا

میں حزن کے معنیٰ بزدلی اور خوف کے لیتے ہیں اُن کو عربی لغت کی خبر نہیں۔ حزن کے معنیٰ رنج اور غم کے ہیں۔ اور غم واندوہ اپنی جان کے لیے نہیں کیا گیا تھا بلکہ سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کی سلامتی کے لیے تھا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کا غار میں پہلے

داخل ہونا اور اپنے جسم کے کپڑے سے سوراخوں کا بند کرنا اور ایک سوراخ پر اپنا تلوا رکھ دینا اور آپ کو سانپ کا کاٹنا وغیرہ آپ کی ہمت اور شجاعت پر دال ہے۔ نیز حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنی تمام دولت اور مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار فرمادیا اور ایثار سے کام لیا۔ اور کئی لاکھ درہم اور دینار راہِ خدا میں خرچ فرمائے۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق کے احسان کا بدلہ مجھ سے ادا نہیں ہوسکتا، خدائے تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے گا۔ آخر کار حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق حضرت ابوبکرؓ کو امت کی شفاعت کا منصب مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیا جائے گا۔ اے فرزانہ! کیا تجھے یاد نہیں کہ ایک روز امیرالمؤمنین حضرت عمرؓ نے حضرت صدیقؓ کو یاد فرمایا اور کہا کہ آپ کی وہ خدمت جو آپ نے ایک شب کو غار حرا میں حضرت رسول اللہؐ کی فرمائی اگر وہ کام مجھ سے ہوتا تو میں نیک بخت ہوجاتا۔ یہ بات آپ نے کہی اور زار زار رونے لگے۔

الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن

من امالی

الاستاذ عبیداللہ السندی

الجزء الثانی قیمت:۔ آٹھ روپے

ملنے کا پتہ

شاہ ولی اللہ اکیڈمی - صدر - حیدرآباد - سندھ

ڈاکٹر وی۔ایم ترمذی

شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی

نام احمد اور لقب وجیہ الدین تھا۔ اس طرح پورا نام مع لقب شاہ احمد وجیہ الدین علوی ہوا۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے :۔

شاہ وجیہ الدین احمد بن قاضی نصر اللہ بن قاضی امام الدین بن عطاء الدین بن معین الدین بن بہاء الدین بن کبیر الدین .... تا.. امام محمد تقی ۔

ملا عبد القادر بدایونی رقمطراز ہیں :

"نسب وی علوی است خود را بجہت غرابت شہرت باین ندارد۔"[1]

ڈاکٹر بیگ نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے :

نسب کی وجہ سے انھوں نے شہرت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ غریب الدیار ہو گئے تھے"[2]

اور پھر غریب الدیار کی وضاحت کے لیے فٹ نوٹ میں لکھا ہے :۔

"اس کا مطلب یہ ہے۔ شیخ کے آباء و اجداد عرصہ دراز سے "عرب" سے ہجرت کرکے یمن چلے گئے تھے اور ان کے پاس کوئی ٹھوس "سند" اپنے نسب کو ثابت کرنے کو نہیں تھی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ ننہیالی رشتہ

---

[1] منتخب التواریخ جلد سوم صفحہ ۴۳ [2] انگریزی ترجمہ جلد سوم صفحہ ۷

سے "سید" ہوں۔"

بہر حال سید کبیر الدین نے جو شیخ کے اجداد میں سے ایک تھے، اپنا وطن یمن چھوڑ کر مکہ میں سکونت اختیار کر لی تھی اور ان کے فرزند شیخ بہاء الدین گجرات میں بمقام بدری ضلع کاٹھیاواڑ چلے آئے تھے۔ یہ زمانہ وہ تھا جب ظفر خان اول (۸۱۴ھ) گجرات کی خود مختار حکومت کی بنیاد ڈال چکا تھا۔ اس دوران اس خاندان کے علم وفضل اور اس کے زہد و تقویٰ کی شہرت دور دراز تک پھیل گئی جس کی وجہ سے سلطان احمد شاہ اول نے شیخ معین الدین کو "بدری" میں قاضی کا منصب عطا کیا اور آپ کے بعد آپ کے فرزند عطاء الدین اور ان کے فرزند امام الدین کو یکے بعد دیگر اس منصب پر فائز کیا۔ سلطان محمود بیگرہ (۸۶۳ھ تا ۹۱۷ھ) نے شیخ وجیہ الدین کے والد بزرگوار قاضی نصر اللہ کو "جاپانیر" کا قاضی مقرر کیا۔ اور سلطان مظفر حلیم (۹۱۷ھ تا ۹۶۳ھ) نے قاضی نصر اللہ کو جن کی وہ بیحد عزت اور احترام کرتا تھا اپنے دور حکومت میں اپنے پاس احمد آباد بلا لیا۔ قاضی نصر اللہ کا انتقال ۹۵۶ھ میں ہوا۔

شیخ وجیہ الدین علوی ۲۲ محرم ۹۱۰ھ میں بمقام جاپانیر پیدا ہوئے۔ اتفاق سے لفظ شیخ کے اعداد ۹۱۰ ہوتے ہیں۔ اس لیے تاریخی نام "شیخ" ہوا۔ آٹھ سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ احمد آباد چلے آئے۔

صغر سنی ہی میں شیخ میں آثار ذہانت وفطانت نظر آنے لگے تھے۔ چنانچہ ۹ سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا اور ایک سال بعد تجوید سے پڑھنا شروع کر دیا۔ ابتدائی تعلیم اپنے عم بزرگوار شیخ شمس الدین سے حاصل کی۔ اور حدیث شریف میں اپنے ماموں شیخ ابو القاسم کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ بعد ازاں شیخ محمد مالکی اور شیخ ابو البرکات بمبانی سے حدیث شریف پڑھی۔ منطق اور فلسفہ شیخ امام الدین ترامی اور شیخ ابو الفضل گازرونی سے جو جلال الدین محقق دوّانی کے شاگرد تھے، حاصل کیا۔ اس طرح ۹۳۴ھ میں بعمر ۲۴ سال آپ فارغ التحصیل ہو گئے۔

تصوف میں آپ شیخ قاضن چشتی سے سلسلہ سہروردیہ میں بیعت تھے، آپ کا شجرۂ

بیعت اس طرح ہے :-

"وجیہ الدین علوی نے شیخ قاضن سے، انھوں نے قاضی امام الدین سے انھوں نے راجو قتال سے، انھوں نے مخدوم جہانیاں جہانگشت سے بیعت کی۔"

شیخ قاضن کے وصال کے بعد آپ اپنے ماموں ابوالقاسم سے بیعت ہوئے اور سلوک کے مدارج طے کیے۔ آپ کا سلسلہ بھی سہروردیہ تھا اور وہ اس طرح ہے :-

"وجیہ الدین علوی نے شیخ ابوالقاسم سے، انھوں نے شیخ امام الدین سے انھوں نے شاہ عالم بخاری سے .... مخدوم جہانیاں جہانگشت سے بیعت کی۔"

جب شیخ محمد غوث گوالیاری احمد آباد تشریف لائے تو شاہ وجیہ الدین علوی نے آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا اور زمرۂ مریدین میں شامل ہو گئے۔ غوث گوالیاری نے آپ کو اپنا خلیفہ بنایا۔ اس طرح شاہ صاحب سلسلہ شطاریہ میں بیعت ہوئے۔ شاہ وجیہ الدین نے اپنے ایک شاگرد صبغت اللہ بھروچی کو شطاریہ سلسلہ میں خلیفہ بنایا اور صبغت اللہ ہی کی بدولت اس سلسلے نے ملک عرب اور دیگر ممالک میں فروغ پایا۔

آپ نے ۹۳۵ھ میں احمد آباد میں ایک دارالعلوم قائم کیا جو گجرات میں علوم اسلامیہ کا بڑا مرکز بن کر اُبھرا۔ اس دارالعلوم نے ہندستان کے ہر صوبہ سے عُلماء کو اپنی جانب کھینچا اور فقہاء اور محدثین کی ایک بڑی جماعت تیار کی، جنھوں نے علوم اسلامیہ کو ہندوستان کے کونے کونے میں پھیلا دیا اور اشاعتِ اسلام میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ تقریباً اسّی عُلماء ایسے تھے جو اس دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے اور انھوں نے اپنے اپنے علاقوں میں جاکر عربی مدارس کی بنیاد ڈالی۔

اِس دارالعلوم کے صدر مدرس شاہ صاحب خود تھے، جہاں آپ ۶۵ سال تک درس دیتے رہے۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے فرزند شیخ عبدُاللہ صدر مدرس کے عہدے پر فائز ہوئے۔

دارالعلوم میں طالب علموں کے لیے ایک شفاخانہ تھا اور حکومت کی طرف سے باقاعدہ طبیب مقرر ہوتے تھے۔ یہ دارالعلوم ۲۹۱ سال تک جاری رہا۔ سنہ ۱۲۳۶ھ میں علوی خاندان کے آخری عالم سید شاہ احمد تھے جنھوں نے اپنی صلاحیت وقابلیت سے نہایت زبوں حالی میں بھی مدرسہ کو جاری رکھا اور رجب سنہ ۱۳۵۰ھ مطابق سنہ ۱۹۳۱ء آپ کا انتقال ہوا تو مدرسہ بالکل ویران ہوگیا اور بہت سی کتابیں ضائع ہوگئیں۔ کچھ جو باقی تھیں ان کو مولانا خطیب عبدالمتین اور یوسف کھٹکھٹے جامع مسجد بمبئی خرید کر لے گئے اور وہاں محفوظ ہوگئیں۔

دارالعلوم سے متعلق طلبہ کے لیے ایک دارالاقامہ اور بڑا کتب خانہ بھی تھا جو حوادث روزگار خصوصاً مرہٹوں کی غارت گیری سے ایسا تباہ ہوا کہ اس کا نام ونشان تک باقی نہ رہا اور اس ذخیرۂ کتب میں سے جو دارالعلوم کے کتب خانے میں تھیں، اب ایک کا بھی سراغ نہیں ملتا۔ حکومتِ وقت دارالعلوم کی مالی امداد کرتی تھی اور مستحق اور غریب طلبہ کو وظائف دیتی تھی۔ وہاں علمِ تفسیر، علمِ حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم عروض، منطق، فلسفہ، ریاضی، ہندسہ، الہیئۃ، علم الکلام اور مابعدالطبیعات جیسے علوم باقاعدہ پڑھائے جاتے تھے۔

رعایا اور حکمران دونوں شیخ کا بے حد اعزاز و اکرام کرتے تھے۔ سلطان محمد ثالث اور سلطان مظفر ثالث بارہا حضرت کی خدمت میں آئے اور دعا کے طلبگار ہوئے۔ امیرالامراء شبیر خان بن اعتماد خان سفر میں جاتے وقت آپ کے پاس اپنے بیش بہا زیورات اور نقدی امانۃً رکھ جاتا تھا۔ شیخ کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت کا اظہار اس امر سے ہوتا ہے کہ آپ کسی بھی مظلوم کی فریاد حکمران کے پاس بہ نفس نفیس لے جاتے تھے اور بلا خوف وخطر اس کے معروضات پیش کر دیتے تھے، حقیقت سے آگاہ کرتے اور اس کا انصاف کرا کے رہتے اور حق دار کو حق دلوا کر دم لیتے۔ نیز اگر کوئی حاکم غلط روی اختیار کرتا اور کج روی برتتا جس سے عوام الناس پریشان رہتے تو شیخ اس کو سخت الفاظ میں تنبیہ کرتے اور راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے تھے۔

شیخ کا انتقال ۲۹ محرم سنہ بروز یک شنبہ ہوا اور آپ اپنے دارالعلوم کے احاطے

میں ہی مدفون ہوئے۔

شاہ وجیہ الدین علوی[۱] کے پانچ فرزند تھے (۱) محمد (۲) حامد (۳) عبدالوحید (۴) عبدالحق (۵) عبداللہ۔ عبداللہ علوی علم وفضل میں یکتا تھے وہی اپنے پدر بزرگوار شیخ وجیہ الدین علوی کے بعد صدر مدرس کی مسند پر فائز ہوئے۔

حضرت شیخ وجیہ الدین صاحب تصانیفِ کثیرہ ہیں ذیل میں آپ کی تصانیف کا اجمالی جائزہ پیش ہے۔

۱۔ حاشیہ علی التفسیر البیضاوی

قاضی بیضاوی کی مشہور آفاق کتاب "انوار التنزیل" پر حواشی کا مجموعہ ہے۔ سالہاسال سے آپ حدیث کا درس دیتے تھے۔ چنانچہ یہ کتاب آپ کے درسی مواعظ کا مجموعہ معلوم ہوتی ہے۔ ابوظفر ندوی مرحوم کا خیال ہے کہ اس رسالہ کا ایک بھی نسخہ دستیاب نہیں ہے مگر "معارف" نے دو قلمی نسخوں کا ذکر کیا ہے، ایک حیدرآباد (دکن) کی آصفیہ لائبریری میں اور دوسرا بھی حیدرآباد ہی میں نواب صدریار جنگ کے کتب خانہ میں۔

۲۔ جنات عدن

بیضاوی کے انوار پر یہ ایک مفصل مقالہ ہے۔ نسخہ نایاب ہے اس لیے پتہ نہیں چلتا

---

[۱] شیخ وجیہ الدین علوی کے بھائی کی چوتھی پشت میں محمد ولی اللہ بن شریف محمد علوی بلند پایہ اردو شاعر گزرے ہیں، تخلص "ولی" تھا اور ولی گجراتی کے نام سے مشہور ہیں۔ محمد حسین آزاد نے ولی کو اردو زبان کا پہلا صاحب دیوان شاعر بتایا تھا اور نظم اردو کی نسل کا آدم کہا تھا۔ لیکن بعد کی تحقیقات نے اس دعویٰ کو باطل قرار دے دیا۔ اسی طرح بہت سے ادیب ولی کو "دکنی" یا "اورنگ آبادی" مانتے تھے۔ مگر مرحوم قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی اور ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی نے ولی پر تحقیقاتی مضامین لکھ کر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچا دی کہ ولی گجراتی ہی تھے۔

مرحوم فخر ماتری جو گجراتی ملت کے مدیر اور تجربہ کار صحافی تھے، اسی خاندان کے چشم وچراغ

کہ اس کا موضوع کیا ہے۔ مگر نام سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر بیضاوی کی کسی قسم کی تنقید ہے۔

۳۔ حواشی علی التفسیر الرحمانی

مخدوم علی مہائمی (نزد بمبئی) کی معرکۃ الآراء تفسیر رحمانی پر حواشی کا مجموعہ ہے۔ شیخ وجیہ الدین علوی مخدوم علی مہائمی کی تصانیف میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ مخدوم کی بہت سی کتابوں پر حواشی لکھے جن کا پتہ شیخ کی دیگر تصانیف سے چلتا ہے۔ ورنہ خود ان کے نسخے نایاب ہیں۔

۴۔ تفسیر کے علاوہ شیخ نے چھوٹے چھوٹے رسالے بھی لکھے ہیں، جن میں قرآنی آیات کی تفسیر، تشریح اور شانِ نزول پر روشنی ڈالی ہے۔ ایسے دو رسالوں کی بابت معلوم ہوا ہے:-

۱۔ رسالہ فی تحقیق فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ

۲۔ رسالہ فی تحقیق وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں علماء میں ان آیات کے بارے میں کوئی بحث چل رہی ہوگی جس کی وجہ سے شیخ علوی نے ان دو رسالوں میں اپنا موقف بیان کیا ہوگا۔ یہ رسالے بھی نایاب ہیں۔

۵۔ شرح نزهۃ النظر

علامہ عسقلانی کی نزہۃ النظر پر شرح ہے۔ اس شرح کے دو قلمی نسخے موجود ہیں، ایک بانکی پور میں اور ایک رام پور میں۔

۶۔ حاشیہ علی الهدایۃ

حنفی فقہ کی مستند کتاب الہدایہ پر حواشی کا مجموعہ ہے، لیکن یہ کتاب بھی نایاب ہے۔

۷۔ حاشیہ علی شرح الوقایۃ

فقہ کی مشہور کتاب شرح وقایہ پر حواشی کا مجموعہ ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے "خلاصۃ الاحکام فی اذان الجمعۃ بین یدی الامام" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بہت سے قلمی نسخے دستیاب ہیں۔

۸۔ شرح البسیط۔ یہ قانونِ وراثت کی کتاب "البسیط" کی مکمل تشریح و توضیح ہے۔

البسیط نجم الدین الشرح کی مستند کتاب ہے۔ شیخ وجیہ الدین نے بہت ہی سلیس انداز میں اصول وراثت پر بحث کی اور جداول اور دوائر کی مدد سے قانون وراثت سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس میں ۲۶ جدولیں اور دو دائرے دیئے ہوئے ہیں، جن کے ذریعے حساب کے نکات سمجھائے ہیں۔ اس کے دو قلمی نسخے دستیاب ہیں۔ جامع مسجد بمبئی میں جو نسخہ ہے وہ راقم الحروف کا دیکھا ہے، بہت صاف ستھرا اور خوشخط ہے۔

۱۰۔ رسالہ فی ترتیب الصلوٰۃ

نماز کے بارے میں مفصل رسالہ ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ بمبئی میں دستیاب ہوا "معارف" شمارہ ۱۹۳۳ میں اس پر نوٹ لکھا ہوا ہے۔

۱۱۔ حاشیہ علی البزدوی

ابوالحسن محمد بزدوی فخر الاسلام (ف ۴۸۲ھ) کی کتاب "کنز الوصول الی معرفۃ الاصول" جو فقہ پر ہے، اس کے حواشی کا مجموعہ ہے۔ اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں۔

۱۲۔ حاشیہ علی التلویح

صدر الشریعہ کی "التوضیح فی حل غوامض التنقیح" پر کی شرح "التلویح الی کشف الحقائق" کی شرح ہے۔ یہ شرح اصول فقہ پر آپ نے اپنے شاگردوں کے لیے لکھی تھی۔ قلمی نسخے احمد آباد، جامع مسجد بمبئی اور مدراس میں موجود ہیں لـه

۱۳۔ شرح علی حاشیۃ المواقف

علم الکلام پر ابن عبدالرحمٰن کی مشہور تصنیف المواقف پر سید شریف جرجانی نے حاشیہ لکھا تھا۔ شیخ علوی نے اس حاشیہ کی شرح لکھی ہے جو "شرح علی حاشیۃ المواقف" کے نام سے موسوم ہے۔ احمد آباد میں اس کا نسخہ موجود ہے۔

۱۴۔ حاشیہ علی شرح التجرید

ناصر الدین محمد طوسی کی "تجرید الکلام" علاؤ الدین بن محمد کی شرح "شرح تجرید العقائد" پر آپ نے حواشی لکھے ہیں۔ یہ اس مجموعہ کا نسخہ ہے۔ اسی طرح سے "تجرید الکلام" پر جلال الدین محقق الدوانی کی "شرح حاشیۃ الجلالیہ" پر حاشیہ "حاشیۃ علی الحاشیۃ الجلالیہ"

لـه یہ شرح نہیں بلکہ مختصر حاشیہ ہے۔ اس کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے۔ قاسمی

لکھی۔ یہ دونوں کتابیں نایاب ہیں۔

۱۵۔ حاشیہ علی الھیئۃ شرح المقاصد

یہ تفتازانی کی المقاصد کے ایک باب پر حاشیہ ہے۔ دوسرے باب پر ایک حاشیہ لکھا ہے، جس کا نام "حاشیہ علی سمعیات شرح المقاصد" ہے۔ یہ دونوں نایاب ہیں۔

۱۶۔ حاشیہ علی حاشیۃ الخیالی

یہ تفتازانی کی شرح عقائد النسفی" پر احمد بن موسیٰ کی کتاب "حاشیہ علی شرح العقائد" پر حاشیہ ہے۔

۱۷۔ حاشیہ علی شرح المطالع

محمد بن ابی بکر (ف ۵۸۲ھ) کی "مطالع الانوار" قطب الدین کی شرح " الاسرار" پر حاشیہ لکھا۔ لیکن اب نایاب ہے۔

شیخ وجیہ الدین علوی نے علم صرف ونحو میں گہری دل چسپی لی اور اس علم کی کتابوں کی شرحیں بھی لکھیں۔

۱۸۔ الرشاد فی شرح الارشاد

شہاب الدین احمد دولت آبادی کی علم صرف ونحو پر مشہور کتاب الارشاد پر شرح لکھی۔ یہ شیخ کی ابتدائی دور کی تصنیف ہے۔ سلطان محمود شاہ ثالث کے دورِ سلطنت (سنہ ۹۴۳ تا ۹۶۱ھ) میں لکھی گئی۔ قلمی نسخے لندن، رام پور، بمبئی میں محفوظ ہیں۔

۱۹۔ حواشی علی الجامی

ابن الحاجب کی الکافیۃ پر عبدالرحمٰن الجامی نے "الفوائد الضیائیہ" ایک شرح لکھی۔ اس پر شیخ علوی نے حواشی تحریر فرمائے۔ جن کا یہ مجموعہ ہے۔ شیخ کے ایک شاگرد نے یہ سب حواشی جمع کیے اور کتاب کی شکل میں لکھ دیئے۔ کتاب کی تمہید میں شاگرد لکھتے ہیں کہ الفوائد پر اس سے بہتر کسی نے حواشی نہیں لکھے۔ اس میں حروف کی نکات بخوبی بیان کیے گئے ہیں اور کوفہ اور بصرہ کے فقہاء کے خیالات پیش کیے گئے ہیں۔ اس کا ایک خوب صورت نسخہ بمبئی کی جامع مسجد میں محفوظ ہے۔

۲۰۔ شرح الوافی

عربی صرف و نحو پر محمد بن عثمان بن عمر البلخی کی جامع کتاب الوافی پر شیخ علوی کی شرح ہے۔ یہ کتاب گجرات کے طلبہ میں چھٹی صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری تک مقبول رہی ہے۔ گجرات میں سب سے پہلے الوافی پر صدرالدین بمباتی نے شرح لکھی۔ بعد میں گجرات ہی کے صرف و نحو کے امام الدوّامین نے اس پر "المنخال الصافی" نامی ایک شرح لکھی۔ شیخ علوی نے "المنخال" پر "شرح المنخال" لکھی۔

۲۱۔ شرح الابیات المنخال والواجز

اس تصنیف سے شیخ علوی کی عربی ادب اور علم لسانیات سے گہری دلچسپی اور اس میں مہارت ظاہر ہوتی ہے۔ ان دو کتابوں میں ابیات (بیت کی جمع) جو شواہد کے طور پر استعمال ہوئے ہیں ان کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔ شیخ نے پہلے علم عروض کی بنا پر بیت کو جانچا ہے، بعدہٗ بیت کے شاعر کی نشان دہی کی ہے اور اس پر حاشیہ لکھا ہے۔ پھر بیت کے سیاق وسباق لکھ دیئے ہیں اور بیت کی توضیح وتشریح صرف ونحو کے اعتبار سے اور شعر کے لحاظ سے کی ہے۔ اس کے دو نسخے موجود ہیں، ایک جامع مسجد بمبئی میں اور دوسرا مدراس میں۔

۲۲۔ شرح المفتاح

سکاکی (ف ۶۲۲ھ) کی مفتاح العلوم پر شرح ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی تاریخ میں اس پر نوٹ لکھا ہے۔

۲۳۔ حاشیہ علی شرح المفتاح

صدرالدین تفتازانی کی "شرح المفتاح" اور شریف جرجانی کی "المصباح فی شرح المفتاح" پر حواشی ہیں۔

۲۴۔ الحقیقۃ المحمدیہ

یہ تصوف پر وجیہ الدین علوی کی عالمانہ تصنیف ہے اور دیباچے، دو ابواب اور ضمیمے پر مشتمل ہے۔ اس میں فلسفۂ تصوف پر بحث کی گئی ہے اور رموز واسرار، حقائق و

معارف جو تصوف کی بنیاد ہیں، ان پر روشنی ڈالی ہے۔ اس میں صوفیاء، حکماء اور متکلمین کی آراء جو تصوف کے بارے میں ہیں لکھی ہیں اور عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ اپنی رائے کا بھی اظہار کیا ہے۔ قلمی نسخہ انڈیا آفس بنگال میں محفوظ ہے۔ علاوہ ازیں بمبئی میں طبع بھی ہوچکی ہے۔ لیکن اب یہ مطبوعہ کتاب نایاب ہے۔ احمد آباد آرٹس کالج کے عربی کے پروفیسر ڈاکٹر زبیر محمد غلام نبی نے اس کو عربی متن اور اردو ترجمے کے ساتھ ۱۹۶۶ء میں احمد آباد سے شائع کیا ہے۔

۲۵۔ بحر حقائق

مولوی عبدالحق بابائے اردو نے شیخ کی اس تصنیف کا ذکر کیا ہے۔ پشاور کے اسلامیہ کالج کی لائبریری میں اس کا ایک نسخہ محفوظ ہے۔

ذیل میں شیخ علوی کی ان تصانیف کے نام درج ہیں جو ہمیں دستیاب نہ ہوسکیں مگر جن کے نام دوسری کتابوں کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں۔

(۱) حاشیۃ علی الشفا لقاضی سید
(۲) رسالۃ الکلام
(۳) رسالۃ القلب
(۴) رسالۃ فی تحقیق ابلیس، ملک وجن
(۵) رسالۃ فی . . . . . . فی الفضل الہندی
(۶) رسالہ اوراد
(۷) حجۃ رملہ والانام فی الجزری
(۸) رسالۃ فی وقف الاعداد
(۹) حاشیۃ علی شرح حکمت اسین
(۱۰) حاشیۃ علی القانون (لابی علی سینا)
(۱۱) حاشیۃ علی الشفا " " "
(۱۲) شرح کلید (فارسی)
(۱۳) شرح جام جہاں نما (فارسی)
(۱۴) شرح رسالۃ القوشجی (فارسی)

(ادارہ)

ترجمہ
تفہیماتِ الٰہیہ

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے علماء کو یہ امر فرمایا کہ لوگوں کو اس کی طرف بلائیں۔[1] اور ان کی سیرت کی پیروی اور اس کو مضبوطی سے پکڑنے کی رغبت دلائیں۔ ہم سب اس کی ثنا کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اس سے مغفرت کی طلب کرتے ہیں۔ اپنے نفوس کی برائی اور اپنی بدکرداری سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جس کو اللہ ہدایت کرے اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کے لیے کوئی رہبر نہیں۔ اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی حاکم نہیں جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں (یہ بھی) گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد اس کا بندہ اور پیغامبر ہے، اس پر اور اس کے آل و اصحاب پر اللہ کی رحمت اور سلام ہو۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد اللہ کریم کا کمزور بندہ احمد معروف بہ ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم

---

[1] یہ قرآن مجید کی آیت وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ الآیہ کی طرف اشارہ ہے۔ قاسمی

(اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنے فضل عظیم سے ڈھانپ دے اور دونوں کا مآل دائمی نعمت فرماوے) کہتا ہے کہ اللہ کے لیے اپنے بندوں پر بہت سی عطائیں ہیں اور ان پر اس کے جود و سخا کے سمندروں کی بارشیں ہیں۔ جس کا ثبوت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ہوتا ہے۔

"تحقیق تمہاری زندگی کے ایام میں تم پر پروردگار کی نعمتیں ہیں اور تم ان نعمتوں کی قدر کرو۔"

اور ہمارے بھائی فاضل، لبیب اور کامل حبیب شیخ نور اللہ بن معین الدین پھلتی کو (اللہ اس کے ظاہر اور باطن کو اپنی مرضیات کے نور سے منور فرمائے اور اس کے ظاہر اور پوشیدہ کو اپنے ذکر اور عبادت کی پاکیزگی سے پاک فرمائے) یہ نعمت فرمائی تھی کہ اس کو اس کے اندر سے دینی علوم: حدیث، تفسیر، فقہ، اصول وغیرہا کے پڑھنے کی رغبت دلائی اور طلب علم کا یہ خیال اس کے قلب میں پختہ ہوگیا اور تیزی سے اس کو ابھارتا رہا (اس کو دیکھ کر) وہ اپنے وطن سے کوچ کرکے میری طرف آگیا اور میرے پاس پڑھنے میں کوشش کرتا رہا۔ اس نے اس سلسلے میں سفر کی تکالیف کی کوئی پرواہ نہیں کی اور پوری کوشش سے پڑھتا رہا پھر اس کے لیے جو کچھ علوم کے اجمال اور تفصیل سے مقدر ہو چکا تھا اس کو حاصل کیا۔ اور اس کے فروع و اصول دونوں کے پڑھنے میں اس نے ملکہ حاصل کیا۔ اس سے تھوڑی دیر کے بعد یہ ہوا کہ میں صاحب کراماتِ کثیرہ اور مراتبِ جلیلہ سیدی والد بزرگوار (جن کا نام نامی اوپر کی سطور میں گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اجر کو دگنا فرمائے) کے مزار کے پاس بیٹھا تھا کہ اچانک ان کی روح کریمہ نے روحانی اشارے میں یہ حکم فرمایا کہ میں اپنے مذکور ساتھی کو تہلیل کے اس طریقے کی تلقین کروں جو کہ نقشبندی حضرات کے ہاں معتبر ہے (رب تعالیٰ ان کو سلسبیل چشمے سے سیراب فرمائے) اس کے سوال اور طلب کے بغیر میں نے اس کو تہلیل ہی سے ابتدا کی کیوں کہ میں اکابر لوگوں کے (روحانی) اشاروں سے باخبر تھا۔ یہ اس کی ذات کی برکت کی وجہ سے اس کی بندش کی کشایش اور اس کی مشکل کا پہلا حل تھا۔ پھر اس کو لگاتار مدد پہنچتی رہی اور یکے بعد دیگرے ترقی کرتا رہا اور ان

اُمتوں میں سیر کرتا رہا جن کو اللہ نے ہمیں دکھایا ہے اور جس میں ہم سے پہلے اللہ کے صالح بندوں نے سیر کی ہے۔ توحید محبت اور ملکیت کی قید سے رہائی پانے میں تجربہ کرتا رہا۔ پھر اس کی انانیت لوٹ گئی اور اس کی ہویت توحید کے میدانوں میں جولانی کرتی رہی پھر خالص شہود تک پہنچا پھر اس جگہ سے لوٹا جہاں سے خلاصی ہو سکتی تھی۔ سلف اور خلف صالحین کا یہی طریقہ رہا ہے۔ باقی خوارق (عادات) اور واقعات تو ثمرات اور نفوس کے مزاج کے تابع اور اصل یقین سے زائد چیزیں ہیں۔

وہ ان تمام مراحل میں میری صحبت کو اچھا سمجھتا اور ہر وقت میری محبت میں بڑھ رہا تھا اور میں نے اس کو اس کے متعلق قدیم زمانے میں یہ دو بیت سنائے تھے ؎

ترجمہ:۔

میں نے تجھ کو صلح اور عتاب میں آزمایا۔ پس میں نے تجھ کو خالص سونا ہی پایا۔
تیرا نام نور اللہ، اس لیے پڑا کہ تم تھوڑی دیر میں نور بن جاؤ گے تھوڑا انتظار کرو۔

اب میں اس کو لوگوں کو صوفیاء کے اشغال کی لوگوں کو تلقین کرنے کی اجازت دے رہا ہوں جیسے میں نے اس کو تلقین کی اور ان سے بیعت لے۔ جیسے میں نے اس سے بیعت لی۔ اور جس کو اہل سمجھے صوفیاء کا خرقہ پہنائے جیسے میں نے اس کو یہ خرقہ پہنایا۔ ان تمام باتوں میں اس کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے اور اس کی زبان میری زبان ہے۔ اسی طرح میرے مشائخ نے میرے متعلق کہا ہے۔ اور حدیث میں پیغمبر کے امراء اور خلفاء کے متعلق اسی قسم کا ارشاد ہے۔ جیسے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان کی اطاعت کرنا میری اطاعت ہے۔ اور اللہ عزوجل نے فرمایا۔ تحقیق وہ لوگ جو تیری بیعت کرتے ہیں اصل میں وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں۔ اور اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ جس نے پیغمبر کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

میں نے اس کو اس کی بھی اجازت دی کہ وہ میری طرف سے میری کتابوں اور رسائل جن کو (علم) تصوف وغیرہ میں تالیف کیا ہے روایت کرے جن کو اس نے میرے سے پڑھا ہے جیسے فیوض الحرمین، یا نہیں پڑھا۔ اور میرے سے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور باقی صحاح ستہ کی کتابوں کی روایت کرے اور مشکوٰۃ المصابیح، ریاض الصالحین، حصن حصین اور دوسری وہ کتابیں

جن کی روایت کرنا اہل فن کے معتبر شروط کے موافق میرے لیے صحیح ہو۔

خاص اس کے نفس کے حق میں وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرنے اور بدعت سے دُور رہنے کی اور ذکر و اذکار پر مداومت کی اور غصہ کو کھانے کی مگر اللہ کے حق میں اور سنت کے طریق پر چلنے اور لوگوں سے سوال نہ کرنے کی اور اس کی بھی (وصیت کرتا ہوں) کہ محدثین، فقہاء اسلام اور مشائخ صوفیہ کے حق میں اچھا خیال (اعتقاد) رکھے اور جتنا ہو سکے اپنے آپ کو شطحیات سے روکے۔

اور میں اس کے مصاحبوں کے حق میں اس کو وصیت کرتا ہوں کہ ان کو نیکی کا حکم اور بُرائی سے روکتا رہے اور ان کو اللہ کی طاعت کے لیے ترغیب دیتا رہے اور جتنا ہو سکے فقراء اور غرباء کی اصلاح کی کوشش کرتا رہے اور اپنے متبعین کو مسنون اذکار کی تلقین کرتا رہے اور ان میں سے جو مستعد ہیں ان کو اذکار قلبیہ اور مراقبہ کے لیے اُبھارتا رہے۔

اپنی ذات کے متعلق میں اس کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے لیے دُعا کرے اور طلب مغفرت کرے اور نصیحت طلبی کرتا رہے اور میرے مشائخ سے بھی اس قسم کا برتاؤ کرے۔ اگر اس نے اس شرط کی وفا کی تو اس کے حق میں میرا یہی گمان ہے اور اگر اس نے عہد کو توڑا تو شتاب ظالم لوگ جان لیں گے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں؟

اس فقیر (ولی اللہ) عفا اللہ عنہ نے نقشبندیہ، جیلانیہ اور چشتیہ تینوں طریقوں کو اپنے والد شیخ عبدالرحیم سے حاصل کیا اور طویل مدت ان کی صحبت میں رہا اور ان سے کرامات دیکھیں اور میں نے جو کچھ ان سے اپنے واقعات، کرامات اور مشائخ کی کرامات کی باتیں سنیں وہ سب محفوظ رکھیں اور ان کے ہاتھ سے خرقہ فقیریہ پہنا اور ان سے بیعت کی۔ اللہ ان کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ (ان کے علاوہ) اس فقیر نے شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردی اور دوسرے مشائخ حرمین سے بھی خرقہ حاصل کیا۔ ہم نے ان تمام اسانید کو اپنے رسائل میں تفصیل سے ذکر کیا ہے جو ان کو جاننا چاہے وہ ان رسائل کی طرف رجوع کرے۔

اور میں اللہ عزوجل سے یہ سوال کرتا ہوں کہ مجھ کو اور اس کو اپنے پسندیدہ طریقہ پر ثابت قدم رکھے۔ میرا اور اس کا خاتمہ خیر پر ہے۔ والحمدللہ اوّلاً و آخراً۔ وصلی اللہ علی

خیر خلقہ محمدؐ و آلہ واصحابہ اجمعین۔

اس کو (زبان سے) کہا اور قلم سے لکھا فقیر ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم نے۔ اللہ اس کو اور اس کے والدین کو مغفرت فرمائے اور ان سب پر احسان فرمائے۔

بروز جمعہ ۲۶ رجمادی الاخری ۱۱۴۶ھ

تفہیم (۱) ۔ صفحہ ۱۲

سب تعریفیں اللہ پاک کے لیے ہیں جس نے نعمت فرمائی تو وسیع عطا فرمائی اور دیا تو بہتر دیا۔ ہم سب اس کی تعریف کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں اور مغفرت کی طلب کرتے ہیں اور اپنے نفوس کی برائیوں اور اپنے اعمال کی جملہ خرابیوں سے اسی کی پناہ میں آتے ہیں۔ جس کو وہ ہدایت کرے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہے اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کا بندہ اور پیغمبر رسول ہے۔ اس پر اور اس کے آل و اصحاب پر اللہ کی رحمت، برکت اور سلام ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ کی تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

حمد و صلوٰۃ کے بعد علمائے اور صوفیہ کا خادم اور ان کے دامن سے چمٹنے والا ولی اللہ بن عبدالرحیم (اللہ ان دونوں کے ساتھ اپنے عظیم فضل سے معاملہ فرمائے) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں سے جس کے شکر کی بندے طاقت نہیں رکھتے یہ ہے کہ اس نے انبیاءؑ

پر صلح (صبر) کیجیے۔ مستوں کو سرور یاد دلانا خلاف مصلحت ہے۔

تفہیم۔ صفحہ ۱۸۔ جلد ا

بشنو از نے چوں حکایت می کند　　واز جدائی ہا شکایت می کند
کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند　　از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
گر نگردد باز مسکیں زیں سفر　　نیست در عالم از و مہجور تر

نقطہ لاہوت یا نقطہ جبروت کی تجلیوں میں سے کوئی تجلی ہر ایک کے لیے لابدی ہے۔ اسی طرح یہ سلسلہ الہی انسانوں تک پہنچتا ہے اور یہ عام لوگوں کا درجہ ہے۔ ہر ایک انسان کو اپنے معاد کی سیر میں اس نقطہ تک پہنچنا ضروری ہوتا ہے جو اس کے وجود کا مبدأ ہے۔ وہاں پہنچ کر وہ مضمحل ہو جاتا ہے۔ اگر کسی کا مبدأ وجود نقطہ لاہوت ہے تو یہ اکسیر اعظم ہے اور کبریت احمر، اس کے لیے تو صدیاں چاہییں تب وہ وجود میں آتا ہے اور وہ جب قوائے فلکیہ اور طبائع عنصریہ سے جدا ہوتا ہے تو اس کو عجیب حالت پیش آتی ہے۔ یعنی اسم اعظم بن جاتا ہے اور جہان کے لیے حق کی قیومیت اسی کے واسطے سے ہوتی ہے، وہاں رحموت کو پہنچتا ہے اور ایک قسم کا تصادق (یعنی ایک دوسرے پر صادق ہونا) پیدا کرتا ہے وہ اس کو لقمہ بناتا ہے اور یہ اس کو۔ اس کے بعد کے راز کو میں افشا کرنا نہیں چاہتا۔ والسلام

کو غیب کا مترجم اور اللہ تعالیٰ کی طرف قرب حاصل کرنے والے طریقوں کا ہادی بنا کر بھیجا تاکہ اگر کوئی (اپنی گمراہی کی وجہ سے) ہلاک ہو تو حجت سے ہلاک ہو اور زندہ رہے تو حجت (اور دلیل) سے زندہ رہے۔ پھر ان انبیاء کے ایسے لوگ وارث بنائے جو لوگوں کے درمیان انبیاء کے علوم کی اشاعت کریں اور ان کی سُنن کا احیاء کریں اور ان کی رشد (و ہدایت) کی طرف لوگوں کو بلائیں۔

پیغمبروں نے اپنی تبلیغ میں جن چیزوں کا خاص اہتمام کیا وہ تین چیزیں ہیں:۔

۱:۔ مبدأ، معاد اور جزا سزا کے سلسلے میں عقائد کی درستی، اس فن کی ضمانت علماء امت میں سے اہل اصول نے اٹھائی، اللہ ان کی کوششوں کو مقبول فرمائے۔

۲:۔ اللہ کی طرف قریب لانے والی عبادتوں اور ضروری ارتفاقات میں سنت کے موافق عمل کو درست کرنا۔ فقہائے امت نے اس فن کی کفالت کا ذمہ اٹھایا پس اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ہدایت فرمائی اور ان کے ساتھ ٹیڑھے فرقے کو سیدھا کیا۔

۳:۔ اخلاص اور احسان کو درست کرنا۔ یہ دونوں چیزیں دین حنیفی کی (جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا ہے) اصل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ان کو صرف یہ حکم ہوا کہ اللہ کی عبادت کریں، اس کی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور یہی مضبوط دین ہے"۔

تفہیم۔ صفحہ ۱۷۔ جلد ا

راز دارانہ انداز میں یہ حکم ہوا کہ لوگوں کو بتاؤں کہ یہ فقیر (شاہ ولی اللہ) مختلف زبانیں (نام) رکھتا ہے۔ ایک جہت سے وہ ولی اللہ بن عبدالرحیم ہے اور دوسری جہت سے انسان ہے اور تیسرے اعتبار سے حیوان اور چوتھے اعتبار سے نامی اور پانچویں سے

جسم اور چھٹے سے جوہر۔ اور ایک اعتبار سے موجود ہے۔ اور ایک لحاظ سے یہ پتھر ہوں درخت ہوں، گھوڑا ہوں، ہاتھی، اونٹ، بکری بھی۔ لوگوں کو اسماء کا علم میں تھا اور حضرت نوحؑ کے طوفان میں نصرت کا باعث میں تھا۔ حضرت ابراہیمؑ پر جو چیز گلزار ہوگئی وہ میں تھا۔ موسیٰؑ کی تورات میں تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کا میت کو زندہ کرنا میں تھا۔ مصطفیٰؐ کا قرآن میں تھا۔ وَالحمدُ للہِ ربّ العالمین۔

تفہیم۔ صفحہ ۱۸۔ جلد ۱

علم حق در علم صوفی گم شود   این سخن کے باور مردم شود

سالک اپنے ابتدائی مراحل میں اپنے آپ کو علم حضوری سے جانتا تھا اور خدا کو علم حصولی سے (لیکن جیسے ہی وہ) توحید سے مشرف ہوا تو اس کا علم حضوری حق تعالیٰ سے وابستہ ہوگیا اور علم حصولی وقت استوا کے سایہ مقیاس کی طرح علم حضوری میں ناپید ہوگیا۔ یہ بات قرب نوافل کے درجے میں کہی جاتی ہے۔

جب عارف نے آب و گل کی خراب آباد سے خلاصی پائی تو حق کے جوارح میں سے ایک جارحہ اور اس کے حواس میں سے ایک حاسہ بن گیا۔

آج (تب) حق سبحانہ کا موجودات کو جاننا اس طرح ہے جیسے اس کا موجودات کو ان کے طبقات کے مطابق جاننا۔ ایک اعتبار سے یہ سب صوفی کے علوم ہیں اور حق کا علم ان میں متلاشی ہوگیا ہے اور دوسرے اعتبار سے یہ سب حق کا علم ہے۔ صوفی کا علم ایک تمثل کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ کیوں کہ آج صوفی اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم ہے جیسے کہ فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) اور اس کا فرمانا حق ہے:

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ
وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ

تم کچھ جانتے بھی ہو کہ یہ کہاں ہو سکتا ہے جب تک یہ نہ کہا جائے کہ دلی کا باپ فلاں ہے اور اس کی ماں فلانہ اور فلاں زمانہ اور فلاں جگہ میں انسان تھا۔ اس نکتہ